السیرۃ النبی

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جسکا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہے مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کیساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ اب تک اس کتاب کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لے کر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیل دین، تاسیس حکومت الٰہی، وفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے،

تیسرے حصہ میں آپکے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، کوشش کیگئی ہے کہ انمیں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے صحیح عقائد لکھے جائیں،

پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے اُن کا مقابلہ وموازنہ ہے،

چھٹا حصہ جو اخلاق پر مشتمل ہے اس وقت زیر طبع ہے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں ے، تقطیع خورد ہے روپے، حصہ سوم تقطیع کلاں ے للعہ، تقطیع خورد ے روپے، حصہ چہارم تقطیع کلاں ے روپے، تقطیع خورد ے روپے، حصہ پنجم تقطیع کلاں ے للعہ،

(منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ)

جلد ۳۹ | ماہ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۷ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

ذیحجہ ۱۳۵۵ھ کے معارف مین "ذبح عظیم" پر جو مضمون شائع ہوا ہے، اس کو پڑھکر میرے ایک خیر خواہ دوست نے مجھے لکھا ہے کہ آپ نے "ذبح عظیم" کی تفسیر رویائے تمثیلی مانکر "روحانی قربانی" کرنے مین غلطی کی ہے، اس سے بعض اسلامی مسائل پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے، جب مین نے اس نظر سے مضمون مذکور پڑھا تو مجھے بھی اپنی غلطی محسوس ہوئی اور ظاہر ہوا کہ میرا اصلی مقصود واضح نہین ہوا، بلکہ نقصِ تعبیر سے مضمونِ مذکور مین تضاد سا پیدا ہوگیا ہے، یعنی یہ کہ ایک طرف بعض مفسرین کی تفسیر کے مطابق "ذبح عظیم" سے سنتِ اضحیۂ اسلام کو مراد لینا صحیح بتایا ہے، اور آگے بڑھکر اس سے روحانی قربانی مراد لی ہے، مین اپنی اس غلطی سے شرمندہ ہون، خدا معاف فرمائے،

میرا اصلی مقصود یہ تھا کہ "ذبح عظیم" کی صحیح تفسیر جانور کی وہی قربانی ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ذبیح بیٹے کے بدلے مین کی تھی اور جو ملتِ ابراہیم مین سنت قرار پائی، مگر یہ قربانی درحقیقت جس طرح ان مقدس باپ بیٹون کی ربانی اطاعت و فرمانبرداری اور جانسپاری کی تمثیل تھی، ایسے ہی آج بھی اسلام مین یہ قربانی مسلمانون کے انھی جذبات کی تمثیل ہے، یہی وجہ ہے کہ قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ والی یہ دعا ہم پڑھتے ہین،

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ	میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا، اور میرا مرنا اللہ کیلئے
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ	ہے جو عالم کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہین،
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام - ۲۰)	اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور مین فرمانبردارون مین پہلا ہون

عام مسلمان کہتے ہیں وانامن المسلمین (اور مین مسلمانون میں سے ہون) کیونکہ اس راہ کی اولیت و پیشوائی حضرت ابراہیمؑ کیلئے ہے، اور عام مسلمان اس مین ان کے متبع اور پیرو ہین،

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کی قربانی کی غرض و غایت مسلمانون کی دلی کیفیت یعنی تقویٰ کو قرار دیا ہے، فرمایا،

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ	خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہین پہنچتا
یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ، (حج - ۵)	بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے،

ہمارے ہان تاریخ ہند کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اسکی پہلی جلد تاریخ سندھ پر مشتمل ترتیب پاچکی ہے، آل غزنویہ کا دور زیر تالیف ہے، بمبئی کے ایک مرحوم مسلمان ہیڈ ماسٹر کے ترکہ سے اسکی تیسری جلد کے لئے پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی کے ذریعہ سے مرحوم کے عزیزون نے پانچ سو روپیے دینا منظور کیا ہے، جس مین سے ڈھائی سو کا چک دفتر میں وصول ہوچکا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغفرت، اور ان کے عزیزون کو اسکا اجر عطا فرمائے،

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اسلام کی تاریخ کا سب سے درخشان عہد حضرات تابعینؒ کا ہے، سیر الصحابہ کے بعد دار المصنفین کے رفیق مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب نے تابعین کے سوانح پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو اس سال پریس مین چھپنے کو جارہی ہے،

سلفِ امت نے خدا اُن پر رحمت فرمائے اپنے پچھلون کے لئے علم و فضل کی جو یادگارین چھوڑی ہین حق یہ ہے کہ وہ اسلام کا معجزہ ہین، علمائے اسلام مین جس قدر اپنے بزرگون کے متروکات کی قدر بڑھتی

جاتی ہے، یہ کنز مخفی "اپنے گوشوں سے نکل نکل کر وقفِ عام ہو رہا ہے، افسوس ہوتا ہے کہ زمانہ کی قدر دانی سے جب ان علوم میں خزان کا دور ہے، ان کی کتابوں کی اشاعت کا موسم بہار ہے،

—— ✻ ——

اسلام کے مسائلِ مالیہ میں ایک مدت تک صرف قاضی ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج لوگوں کے ہاتھوں میں رہی، کچھ سال ہوئے کہ اسی بحث پر ۱۳۴۷ھ میں یحییٰ بن آدم قرشی المتوفی ۲۰۳ھ کی کتاب الخراج مطبعۂ سلفیہ مصر سے چھپ کر شائع ہوئی، اس کے بعد دائرۃ المعارف حیدرآباد سے قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے شاگرد ہلال بن یحییٰ بن مسلم رائی کی کتاب الوقف منظرِ عام پر آئی، اور اب ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کی کتاب الاموال شائع ہوئی ہے، ازہر کے ایک فاضل عالم محمد حامد الفقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس پر مفید حاشیے لکھے ہیں، اسلام کے مالی مسائل پر ایسی وسیع اور مفید تصنیف کوئی نہیں شائع ہوئی، تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے کیسے کیسے اچھے اور اچھوتے مضمونوں پر کیسی عمدہ عمدہ کتابیں لکھی ہیں،

—— ✻ ——

مارچ کے شذرات میں انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے مسلمان طالب علموں میں عربی زبان کی تعلیم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا تھا، اسکی نسبت ہم سے پوچھا گیا ہے کہ عربی صرف ونحو کو آسان طریقہ سے پڑھانے کی کیا صورت ہے، اس کا مفصل جواب تو مستقل مضمون کا طالب ہے، مگر مختصر یہ ہے کہ صرف ونحو کو نظری کے بجائے عملی حیثیت سے پڑھایا جائے جس کا ایک اسلوب خاص مولانا حمید الدین صاحب کی اسباق النحو اور ہماری دروس الادب میں بتایا گیا ہے، دار العلوم ندوہ، اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں اس کا کافی کامیاب تجربہ کیا جا چکا ہے،

—— ✻ ——

مقالات

خلیل اللہ کی بشریت

حضرات انبیائے کرام کے اوصاف غالبہ

(۲)

نمرود کی آگ اُن کے لئے ٹھنڈی ہو جاتی ہے، اور ندا آتی ہے، کہ سلامتی ہو ابراہیمؑ کی سلامًا علیٰ ابراھیم بت پرست باپ کو سمجھاتے ہیں نہیں مانتا، اور کفر پر اڑا رہتا ہے، تو اس کو خدا کا ڈر ہلکے لفظوں میں سناتے ہیں،

يَا أَبَتِ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ	اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ
عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ	تجھے رحمت والے خدا کی طرف کوئی عذاب
لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا،	نہ چھوئے تو تو شیطان کا ساتھی بنے،

(مریم ۳)

باپ نے یہ سن کر بیٹے کو سزا کی دھمکی دی، اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا، بیٹا اب بھی باپ کی خیر خواہی میں مصروف ہے، سلام کرتا ہے، اور اپنے خدا سے اس کے گناہوں کی معافی کیلئے دعا کا وعدہ کرتا ہے،

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا (مریم ۳)

ابراہیم نے کہا تم پر سلامتی ہو میں تمہارے لئے اپنے رب سے دعا مانگونگا کہ تمہارے گناہ معاف فرمائے، وہ مجھ پر مہربان ہے، اور میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے الگ ہوتا ہوں اور اپنے رب سے دعا کرتا ہوں، اور امید ہے کہ میں اس دعا میں بے نصیب نہ رہونگا

حضرت ابراہیم نے اپنا یہ دعوی پورا کیا، اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی،

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ، (ابراہیم ۶)

اے ہمارے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ اور ایمان والوں کو اس دن بخشدے، جب حساب کتاب قائم ہو،

یہ بشارت کی پے درپے التجا کافر باپ کے حق میں ہے، اور جب آنحضرت صلعم کو اور مسلمانوں کو مشرکوں کی مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت آئی تو اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کے اس فعل کی توجیہ فرمائی،

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ (توبہ ۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے باپ کی مغفرت کی دعا مانگنا نہ تھا، مگر وعدہ کے سبب سے جو اس نے اس سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر ثابت ہوگیا، کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے الگ ہوگیا، بیشک ابراہیم بڑا نرم دل اور بردبار تھا،

اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیم کی دعا اس توقع میں تھی کہ ان کا باپ مسلمان ہو کر رحمت الٰہی کا مستحق ٹھہرے، لیکن ان کی یہ توقع درست نہیں نکلی، دوسری بات یہ کہ حضرت ابراہیم چونکہ کمال بشریت سے ممتاز تھے، اس لئے خدا نے ان کی نرم دلی اور بردباری کی تعریف فرمائی،

اس طرح حضرت لوطؑ کی قوم کی تباہی کی خبر جب مہمان فرشتوں نے ان کو سنائی تو ان کو بڑا صدمہ ہوا، اور بارگاہ الٰہی میں اس کی طرف سے عرض معروض کرنے لگے، تو خدا نے پھر ان کی نرم دلی اور بردباری اور حق ظاہر ہونے کے بعد انکے رجوع حق کی مدح فرمائی،

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ، (ہود ۷)

توجب ابراہیم سے خوف جاتا رہا، اس کو (اولاد کی) بشارت مل چکی ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگا، بیشک ابراہیم بردبار، نرم دل اور رجوع کرنے والا تھا، (خدا نے فرمایا) اے ابراہیم اس خیال کو چھوڑ دے، تیرے رب کا حکم آچکا، اور لوط کی قوم کو وہ عذاب آنے ہی والا ہے، جو واپس نہ ہوگا،

حضرت ابراہیمؑ قوم لوط کی طرف سے کیونکر جناب باری سے جھگڑنے لگے، ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ حضرت لوطؑ کو پیش کر کے رحمت الٰہی کے خواستگار ہوئے،

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ

جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس (اولاد کی) بشارت لے کر آئے،

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

(عنکبوت ۴)

انھون نے بیان کیا کہ ہم اس آبادی کے رہنے والون کو ہلاک کرنے آئے ہیں، بیشک وہ ظالم ہیں، ابراہیم نے کہا اس گاؤں میں لوط ہیں، انھون نے کہا کہ ہم کو خوب معلوم ہے، جو اس میں ہیں، ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لینگے لیکن انکی بیوی

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اسی عرض و معروض کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت بارگاہِ الٰہی سے ان کو یہ خوشخبری سنائی گئی، اور ہمیشہ کے لئے یہ قانونِ الٰہی قرار پایا کہ ایک کی برائی کا بوجھ دوسرے پر لادا نہ جائے،

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

(نجم ۳)

کیا انھیں بتایا نہیں گیا، جو موسیٰ کے اور اُس ابراہیم کے صحیفوں میں ہے، جس نے پورا حق ادا کیا، کہ کوئی شخص دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائیگا، اور یہ کہ انسان کے لئے نہیں ہے، بلکہ

سورۂ انعام کے آخر میں حضرت ابراہیمؑ کے تعلق سے یہ آیت پھر آتی ہے، آنحضرت صلعم کو ارشاد ہوتا ہے، کہ کہدے کہ ہم تو ابراہیم کے دین کے پیرو ہیں، جس کا مسلک یہ تھا،

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ

کہدے کہ مجھے میرے رب نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، سیدھا دین ابراہیم

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى،

(انعام ۲۰)

کا دین جو موحد تھا، اور مشرکوں میں سے نہ تھا، کہدے کہ میری نماز میری قربانی میرا جینا، میرا مرنا، عالم کے پروردگار اللہ کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں کا پہلا ہوں، کہدے کہ کیا خدا کے سوا کسی اور کو پروردگار چاہوں، حالانکہ وہی تو ہر شے کا رب ہے، اور ہر جان کی کمائی اسی پر ہے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ

یہ سب وہی باتین ہین جو حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے میں تھیں، اور ان کا اعادہ پھر صحیفۂ محمدی میں کیا جا رہا ہے،

میرا خیال ہے کہ توراۃ کا صحیفۂ پیدایش ہی حضرت ابراہیمؑ کے اُس عرض و معروض کی پوری تفصیل ہے، جو انھوں نے حضرت لوطؑ کی قوم کے بارہ میں بارگاہِ الٰہی میں پیش کی،

"ابراہام ہنوز خداوند کے حضور میں کھڑا رہا، تب ابراہام نزدیک جا کے بولا کیا تو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا، شاید پچاس صادق اس شہر میں ہوں، کیا تو اسے ہلاک کرے گا اور ان پچاس صادقوں کی خاطر جو اس کے درمیان ہیں اس مقام کو نہ چھوڑے گا، ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے، کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا، اور خداوند نے کہا کہ اگر میں سدوم (قوم لوط کا شہر) میں شہر کے درمیان پچاس صادق پاؤں تو میں ان کے واسطے تمام مکان کو

چھوڑ دوں گا، تب ابراہام نے جواب دیا اور کہا، اب دیکھ میں نے خداوند سے بولنے میں جرأت کی، اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں، شاید پچاس صادق سے پانچ کم ہوں، کیا ان پانچ کے واسطے تو تمام شہر کو نیست کرے گا، اور اس نے کہا اگر میں وہاں پینتالیس پاؤں تو نیست نہ کروں گا، پھر اوس نے اوس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس پائے جائیں، تب اوس نے کہا کہ میں اُن چالیس کے واسطے نہ کروں گا، پھر اوس نے کہا میں منت کرتا ہوں، کہ اگر خداوند خفا نہ ہوں تو میں پھر کہوں، شاید وہاں تیس پائے جائیں، وہ بولا اگر میں وہاں تیس پاؤں تو میں یہ نہ کروں گا، دیکھ میں نے خداوند سے بات کرنے میں جرأت کی، شاید وہاں بیس پائے جائیں، وہ بولا میں بیس کے واسطے بھی اُسے نیست نہ کرونگا، تب اوس نے کہا میں منت کرتا ہوں کہ خداوند خفا نہ ہوں، تب میں فقط اب کی بار پھر کہوں، شاید وہاں دس پائے جائیں، وہ بولا میں دس کے واسطے بھی اُسے نیست نہ کرونگا، جب خداوند ابراہام سے باتیں کرچکا، تو چلا گیا، اور ابراہام اپنے مقام کو پھرا،،

(باب ۸ - ۲۳ سے ۳۲ تک)

توراۃ کے اس بیان سے اس جدالؔ کی پوری تفصیل معلوم ہوتی ہے، جو وہ بار بار سدوم کے گنہگاروں کو بچانے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے تھے، اور اس نرم دلی، بردباری، اور رجوع حق کی تصدیق ہوتی ہے، جس سے قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کو متصف کیا ہے، اور ان آیاتِ الٰہی کی تصدیق ہوتی ہے، جن کو قرآن نے صحیفۂ ابراہیمی کے حوالہ سے پیش کیا ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کی اس شان بشریت کا اظہار ہوتا ہے، جو جمالِ الٰہی کا پرتو تھی،

حضرت ابراہیمؑ جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پاتے ہیں، اور اپنی اولاد کو اس کی پاسبانی کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں، کہ اس بے آب و دانہ بنجر زمین میں خداوندا اسکو تیرے گھر کی پاسبانی اور تیرے دین کی حفاظت کی خاطر بساتا ہوں، خداوندا ان کو روزی دینا، ان میں

پیغمبر رسول بھیجنا، ان کو بتوں کی پوجا سے بچانا،

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(ابراہیم - ۶)

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا، اور مجھے اور میری اولاد کو تو اس سے بچا، کہ وہ بتوں کو پوجیں، خداوندا ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، تو جو میری پیروی کرے وہی مجھ سے ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو بے شک تو بخشنے والا رحم والا ہے،

یہ خدا کی بخشش و رحمت کی تحریک کن کے لئے ہو رہی ہے، ان کے لئے جو بُت پرست ہو کر ان کی نافرمانی کریں،

یہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی بشری شان،

صحابہ میں ان کے جلوے، اوپر کی سطروں میں انبیاء علیہم السلام کی نذیریت اور بشریت کی جو تشریح کی گئی ہے، وہ میری نہیں بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہوئی ہے، غزوہ بدر میں جب کفار قریش گرفتار ہو کر آئے، تو آنحضرت صلعم نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے، اور حضرت عمرؓ نے کہا ان کو قتل کر دیا جائے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ آپ کے خاندان اور قوم کے ہیں، ان پر رحم فرمائیے، آپ نے ان دونوں فریق کے مشورہ کو سنکر فرمایا، کہ ایک فریق اپنے پہلے بھائیوں نوحؑ اور موسیٰ کی طرح ہے، نوحؑ نے کہا پروردگارا زمین پر کافر

میں سے کسی گھر بسانے والے کو مت چھوڑ"، اور موسیٰ نے کہا ہمارے پروردگار ان کی دولت مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کردے،" اور دوسرا فریق ابراہیم کی طرح ہے، ابراہیم نے کہا، "جس نے میری پیروی کی، وہ مجھ سے ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو تو بخشنے والا اور رحم والا ہے،" اور عیسیٰ کی طرح ہے، کہ عیسیٰ نے کہا کہ اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف کردے تو تو قدرت والا اور حکمت والا ہے، (مستدرک حاکم ۳ ص ۲۱ و ۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت عمرؓ کو، حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی نذیری شان، اور حضرت ابو بکرؓ کو حضرت ابراہیمؑ، اور حضرت عیسیٰؑ کی بشیری شان کی مثال ظاہر فرمایا، اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ بشیریت اور نذیریت کے کمال سے کیا منشا ہے،

عام طور سے ہر نبی نذیر اور بشیر ہے،

اس بیان سے کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ اس مضمون کا منشاء نعوذ باللہ یہ ہے کہ کوئی نبی صرف بشیر یا کوئی نذیر صرف اس معنی میں ہوتا ہے، کہ ایک صرف بشارت سناتا ہے، اور دوسرا صرف انذار کرتا ہے، بلکہ یہ منشا ہے کہ کسی نبی میں عام وصف انذار کے ساتھ بشیریت کا کمال ہوتا ہے، اور کسی میں بشیریت کے عام وصف کے ساتھ نذیریت کا کمال ہوتا ہے، ورنہ خود اللہ تعالیٰ نے بلا استثناء تمام پیغمبروں کو بشیر و نذیر ایک ساتھ فرمایا ہے، لیکن اس بشیریت و نذیریت کے معنی واضح بھی فرما دیے ہیں جو عام وصف بشیر و نذیر کی حقیقت ہیں، فرمایا،

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا — اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو لیکن
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ، — بشارت سنانے والے، اور ڈر سنانے والے
(انعام)

یہ بشارت کیا ہوتی ہے، اور یہ ڈر سنانا (انذار) کیسے ہوتا ہے، آیت بالا کے ساتھ ہی اس بشارت اور انذار کی یہ تشریح ہے،

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ — تو جو ایمان لایا اور اچھے کام کئے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ — تو ان کو نہ ڈر ہوگا، اور نہ غم، اور
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ — جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا،
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ — ان کو ان کی نافرمانی کے سبب سے
(انعام - ۵) — عذاب چمٹے گا،

لیکن بشیریت یا نذیریت کے اوصاف غالبہ جن پیغمبروں کو ملتے ہیں، ان کی بشیریت اور نذیریت کی شان اس سے بہت بلند ہوتی ہے، جس کی مثالیں ایک طرف حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ میں، دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں نظر آتی ہیں، اور دونوں کا مجموعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں، صلوٰت اللہ علیہم اجمعین،

یہ جمال و جلال کے پرتو ہیں،

کسی نبی میں شان نذیری کا غلبہ، اور کسی نبی میں شان بشیری کا کمال باہم ایک دوسرے پر ترجیح کا سبب نہیں، انبیاء علیہم السلام کے یہ دونوں اوصاف اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان جلال و جمال کے مظہر ہیں، کسی میں جلالی شان کی چمک زیادہ ہوتی ہے، اور کسی میں جمالی شان کی، جب اور جس زمانہ میں حکمت الٰہی کا اقتضاء جلال یا جمال میں سے جس شان کمال کا اظہار ہوتا ہے، وہ اسوقت کے پیغمبروں میں ظاہر فرماتا ہے، دونوں اسکی شانیں ہیں، اور دونوں اس کے اسمائے حسنیٰ،

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

عالمگیر کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دارالمصنفین

"جسمانی ہمت اور مروت کے علاوہ اس نے اوائلِ زندگی ہی سے بادشاہت کی مشقتوں اور خطروں کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا، اور اس عظیم الشان عہدہ کے لئے احترام ذات، معرفتِ ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کیا، بادشاہوں کے لڑکوں سے بالکل مختلف، اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور صحیح الطبع عالم تھا، اور زندگی کی آخری سانس تک کتابوں سے محبت کرتا رہا، اگر ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخوں کو نظر انداز بھی کر دیں، جکو اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک عابد کی سرگرم ریاضت کیساتھ لکھا، تو بھی ہم اسکو فراموش نہیں کر سکتے، کہ وہ ایک مشغول حکمراں ہونے کے باوجود اپنی قلیل فرصت کو عربی کی فقہ اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں شوق سے گذارتا، اور پرانے اور نادر مخطوطات مثلاً نہایہ، احیاء العلوم اور دیوانِ صائب کو کتابوں کے ایک کامل عاشق کی ہوس سے ڈھونڈتا، اس کے کثیر رقعات اس کی فارسی شاعری اور عربی ادب پر قدرت کی دلیل ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ہر ایک خط کو مناسب اشعار و اقتباسات سے مزین کرتا ہے، عربی اور فارسی کے علاوہ وہ ترکی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ بول سکتا تھا، یہ اسی کی جودت طبع اور سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ فتاویٰ عالمگیری ہے جو نہایت مناسب طور پر اسی کے نام کیا گیا تھا،

منسوب ہے، اور جس نے مابعد کے عہد میں ہندوستان میں اسلامی انصاف کو واضح طور پر معاف کر کے آسان کر دیا ہے"[1]

یہ الفاظ اورنگ زیب کے اس سیرت نگار کے ہیں، جس نے اس کے خلاف تعصب اور عداوت کا اظہار کرنا اپنی زندگی کا واحد اور معنی خیز مقصد سمجھا ہے ایک مخالف مورخ کی مذکورہ بالا رائے عالمگیر کے علم کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے، مگر اس مختصر بیان کی تشریح کے لئے ہم تفصیلات کی دلچسپی میں ضرور پڑیں گے، گو اس موضوع پر اہلِ قلم مختلف پیرایوں میں اظہارِ خیال کر چکے ہیں،[2] ڈر ہے کہ کہیں تکرار نہ پیدا ہو جائے،

اورنگزیب کے فطری علمی ذوق کی جلا لایق اور قابل اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے ہوئی جن اساتذہ سے اورنگزیب نے فیض حاصل کیا وہ یہ تھے،

مولینا عبد اللطیف سلطانپوری،[3] ہاشم گیلانی،[4] ملا موہن بہاری،[5] علامی سعد اللہ،[6] مولینا سید محمد قنوجی،[7] ملا شیخ احمد معروف بہ ملا جیون،[8] شیخ عبد القوی،[9] دانشمند خان،

مولینا عبد اللطیف معقولات اور منقولات میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، ہاشم گیلانی کا ذکر شاہجہاں کے دربار کے فضلاء کے سلسلے میں آچکا ہے، وہ علم معقولات اور منقولات کے علاوہ طب اور ریاضی کا ممتاز عالم تھا، ملا موہن بہاری حافظ تھے، علامی سعد اللہ کا بھی ذکر آچکا ہے، مولینا سید محمد قنوجی ریاضی اور ادب کے ماہر تھے، ملا جیون تفسیر اور فقہ کے جید عالم تھے، اپنی تفسیر احمدی اور نور الانوار کی وجہ سے اب تک ہندوستان میں مشہور ہیں،

---

[1] اورنگ زیب جلد پنجم از جادو ناتھ سرکار ص ۴۷۴، [2] اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت اور انشاء و ادب پر جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین (حال پروفیسر اسماعیلیہ کالج بمبئی) نے مقدمہ رقعات عالمگیر میں نہایت فاضلانہ ابواب لکھے ہیں، موجودہ مضمون کی ترتیب میں ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، [3] تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۳۳، [4] عبد الحمید لاہوری جلد اول حصہ دوم ص ۶۵، [5] مآثر الکرام ص ۲۲۳، [6] احکام عالمگیری ص ۲، [7] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۳، [8] مآثر الکرام ص ۱۷، [9] مآثر الامراء جلد اول ص ۲۲۵،

دانشمند خان کو تصوف و اخلاق پر عبور تھا، اورنگ زیب نے امام غزالی کی احیاء العلوم اسی سے پڑھی، اورنگ زیب امام غزالی کی کتابوں سے خاص ذوق رکھتا تھا، ایک رقعہ میں شہزادہ اعظم جاہ سے ان کی ایک تصنیف تبر المسبوک کی فرمائش تاکید کے ساتھ کرتا ہے،[1] عالمگیر نے چار زبانیں سیکھیں، عربی، فارسی، ترکی اور ہندی، عالمگیر

میں ہے :-

"آن زبان سروش بخت و اقبال اگرچہ اکثر اوقات بزبان بلیغ فارسی تکلم می نماید، لیکن ترکی چغتائی را بنہایت خوب می دانند و باترکان بدان زبان سخن می کنند و با جمعی از اہل ہند کہ فارسی نمی دانند یا نیکو نمی توانند گفت بضرورت زبان بلغت ہندی می کشایند"[2]

اس تعلیم و تربیت کا جو لازمی نتیجہ ہونا چاہئے تھا، وہ ہوا، تبحر علمی، کثرت مطالعہ اور وسیع النظری میں اورنگ زیب تمام تیموری حکمرانوں پر فوقیت اور افضلیت رکھتا تھا، عالمگیر نامہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف ان لفظوں میں ہے :-

"از کمالات کسبیہ آنحضرت کہ زینت بخش حالات قدسیہ و ہبیہ گشتہ، تتبع علوم دینیہ از حدیث و تفسیر عربیہ و فقہ شریف حنفیہ است، از بس بممارست مراتب شرعیہ و استکشاف عقائد اصلیہ و مسائل شرعیہ اشتغال ورزیدہ اند، قوت حافظہ اشرف مخزن این حقائق شدہ و بسیاری از کتب طریقت و سلوک و اخلاق چون احیاء العلوم و کیمیاے سعادت و دیگر تصانیف عرفا و اکابر رسائل و مؤلفات علماے باطن و ظاہری بمطالعہ ہمایون رسید حل .... عضلات و کشف اسرار آن فرمودہ اند و بالفعل نیز بعد فراغ از نظم و مہام سلطنت و سروری تمہید مراسم دین پروری و عدالت گستری باین شرائف اشتغال بپیوستگی دارند"[4]

[1] التبر المسبوک فی اخلاق الملوک چھپ گئی ہے، اسمیں امام نے سلاطین کے ضروری اخلاق و عادات اور طرز سیاست پر گفتگو کی ہے، [2] احکام عالمگیری، [3] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵، [4] ایضاً ص ۱۰۹۱

اسی چیز کو ماثر عالمگیری کا مصنف ان مختصر الفاظ میں پیش کرتا ہے :-

"از کمالات کسبیہ آنحضرت کہ زینت بخش حالات وہبیہ گشتہ، تتبع علوم دینیہ از تفسیر و حدیث و فقہ است و تصانیف امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ و انتخاب مکتوبات شرف الدین یحیٰی منیری و شیخ زین الدین قدس سرہما و قطب محی شیرازی رحمۃ اللہ و ازین قبیل کتب دیگر بمواد تقید مطالعہ در آمدہ"[1]

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھا، اور یہ سعادت تیموری بادشاہوں میں صرف اسی کو حاصل تھی، اور سب سے بڑھکر تعجب کی یہ بات ہے، کہ اورنگ زیب نے کلام پاک اس وقت حفظ کیا، جب وہ اپنی عمر کے چالیسویں سال میں تھا، اور یہ دولت صرف ایک سال کے اندر جمع کی، ۱۰۷۱ھ میں حفظ کرنا شروع کیا اور ۱۰۷۲ھ میں ختم کیا، سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى سے ابتدا کی اور لوح محفوظ سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے، اورنگ زیب کے ایک درباری شاعر نے اس موقع پر یہ شعر کہا،

تو حامی شرع و حامی تو شارع
تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو[2]

عالمگیر نامہ میں ہے :-

"و از جلائل فضائل آن خدیو یزدان پرست توفیق حفظ تمام کلام مجید ربانیت در عین اوان سلطنت و جہانبانی و زمان اشتغال بامور ملک رانی و کشورستانی کہ ہیچ یک از سلاطین اسلام و دین پروران باستانی را این خصیصہ سعادت چہرہ آرای دولت نگشتہ و عزیمت این مقصد بلند و داعیہ ہمت پسند در خاطر نگذشتہ بلکہ کمتری از ارباب فضل و کمال و اصحاب علم و معرفت را این کرامت و شرف دست نداده اگرچہ ہم از مبادی حال دولت و اقبال برخی

[1] ماثر عالمگیری ص ۵۳۲، اس بیان کی تائید انہی الفاظ کے ساتھ مراۃ العالم مصنفہ بختاور خان سے ہوتی ہے، (قلمی نسخہ دار المصنفین) [2] ایضاً ص ۵۳۲ و عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۲ و مراۃ العالم قلمی نسخہ

از سور کریمۂ قرآنی وبسیاری از آیات بینات فرقانی محفوظ خاطر اقدس بود لیکن حفظ مجموع کلام اللہ

ازان بادشاہ خدا آگاہ بعد جلوس بر اورنگ حشمت وجاہ اتفاق افتاد چون بہ نیروی تائید ربانی این

خطرۂ الٰہی وداعیہ آسمانی بر باطن تقدس موطن پرتو افگند بمیامن ہمت بادشاہانہ وعزیمت خسروانہ

ویاوری توفیق کردگار ومساعدت بخت سعادت آثار در عرض اندک وقتی ومختصر فرصتی مجموع کلام مجید

وفرقان حمید با رعایت مراتب قرات وشرائط تجوید وادراک شان ونزول آیات بینات وتفسیر معانی

وفہم اسرار ونکات آن بر لوحۂ حافظۂ اشرف کہ لوح محفوظ اسرار غیبی است مرتسم گشت، چنانچہ

تاریخ شروع آن حفظ شریف را حروف کریمہ سنقرئک فلاتنسی بحساب جمل پردہ از رخ می کشاید

وتاریخ اتمامش از اعداد لوح محفوظ جلوۂ ظہور می نماید[1]

اورنگ زیب فن خطاطی میں ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اوس نے سید علی خان الحسینی جواہر رقم[2] اور عبدالباقی حداد[3] (عبداللہ) سے سیکھا، چنانچہ اسکو خط نسخ اور خط نستعلیق لکھنے میں کامل مہارت تھی، منشی کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے،

"از رتبۂ خط وحسن تحریر آن شہنشاہ فلاطون فطنت سکندر نظیر کہ صفحات روزگار واوراق

دفاتر لیل ازان زینت پذیر است خامہ نکتہ پرداز جادو فن را چہ یارای دم زدن بقدرت

کلک بدائع آثار معنی استادی وسحر نگاری را چنان بر کرسی نشانیدہ اند کہ دست استادان

اقالیم سبعہ خط بدان نتواند رسید وبرشحہ فیض انامل دربار شمال موزون قلم را در خوشنویسی

شاخ وبرگی بخشیدہ کہ یکتایان صنعت خط از تتبع آن شیوہ جز خجلت ثمری نتوانند چید، خط

نسخ آن حضرت کہ رقم نسخ خطایا قوت وعیرنی تواند بود، در غایت پختگی ونغزی ومتانت واسلوب

است کمال قدرت در نوشتن آن دارند، اکثر اوقات توفیق ثواب اندوزی کتابت کلام اللہ

[1] عالمگیر نامہ صفحہ ۱۰۹۲، [2] تاریخ خوشنویسان ہند صفحہ ۵۰، [3] ایضاً صفحہ ۱۳۵،

از ضمائم عبادات وکرائم عادات آن شہنشاہ دین پناہ است .... خط نستعلیق آنحضرت بے تکلف

اطرای مدح طرازی واغراق نکتہ پردازی دران رتبہ است کہ قطعہای کہ در عین ایام ذوق

ومہر گرمی مشق رقم پذیر خامۂ اشرف گشتہ بقطعہای خوب استادان کہ عمر گرانمایہ صرف تحصیل

آن سرمایہ ساختہ بتکمیل امرے دیگر نپرداختہ اند در نظر خطشناسان مبصر مشتبہ می شود،

وشکستہ نستعلیق در غایت مغزداری وصفا ومتانت وپختگی می نویسند[1]

مآثر عالمگیری میں ہے،

"خط نسخ آنحضرت در غایت متانت واسلوب بود وکمال قدرت در نوشتن آن داشتند

وخط نستعلیق وشکستہ نیز بغایت خوب نوشتند"[2]

بختاور خان مراۃ العالم میں لکھتا ہے،

"در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ"، (موجودہ دار المصنفین قلمی)

اورنگ زیب نے خطاطی کا فن محض ذاتی زیب وزینت کے لئے نہیں سیکھا تھا، بلکہ اس کے ذریعہ سے کسب سعادت دین اور معاش دنیا کیا کرتا تھا، وہ فرصت کے اوقات میں عموماً صبح کو پانچ بجے سے سات بجے تک اور سہ پہر کو ۲ ½ بجے سے ۵ ½ تک کلام مجید کے نسخے اپنے ہاتھوں سے لکھا کرتا تھا، جس کا سلسلہ اس نے ایام شہزادگی سے لیکر آخر عمر تک جاری رکھا، عالمگیر نامہ میں ہے،

"در ایام میمنت انجام بادشاہزادگی مصحفی مجید بخط مبارک صورت اتمام دادہ[3] آنرا با دیگر

شرائف تحف ورغائب وسلیقی خطیر برسم نذر وآئین نیاز بمکۂ معظمہ وکعبۂ مشرفہ زادہا اللہ

[1] عالمگیر نامہ صفحہ ۱۰۹۳، [2] مآثر عالمگیری صفحہ ۵۳۲ ومراۃ العالم، [3] بختاور کا بیان ہے کہ اس میں سات ہزار روپے خرچ ہوئے "دو قرآن مجید بخط اقدس صورت ترتیب پذیرفتہ، ومبلغ ہفت ہزار روپیہ بر لوح وجدول آن صرف شدہ بامکہ شریفہ ترسیل یافتہ"،

قدر او جلالہ فرستادند کہ دران حرم محترم و بقعۂ مکرم برکات تلاوتش بروزگار خجستہ آثار عائد گردد و بعد از جلوس بر سریر سلطنت و اقبال با وجود کثرت مشاغل صوری و معنوی و نظم و پرداخت امور دینی و دنیوی و فرط توجہ اشتغال بحراست و پاسبانی جہانیان و تاسیس قواعد عدل و احسان عزیمت نگارش مصحفی دیگر از خاطر انور سر بر زدہ شروع دران مقصد والا فرمودند و ہر روز بعد فراغ از اشتغال ضروریۂ دین و دولت و تنظیم مہام ملک و ملت و اداے وظائف طاعت و عبادت شطری از اوقات میمنت قرین بتحریر سطری چند از کتاب مبین مصروف ساختہ در عرض اندک وقتے بدستیاری تائید و مددگاری بخت سعید جلدی، دیگر از مصحف مجید باتمام رسانیدہ سعادت جاوید اندوختند، وسواے این دو مصحف کریم مکرر بتحریر پنجسورہ و دیگر سور قرآنی موفق گشتہ اند"[1]

اورنگزیب کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کلام پاک کے نسخے آج بھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں، ایک نسخہ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن کی ملکیت ہے، دوسرا جناب مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دیوانی حیدرآباد کے پاس ہے، تیسرا نواب صاحب مانگرول کے پاس ہے، جس کا عکس جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے شائع بھی کر دیا ہے، مگر یہ نسخہ مشکوک ہے، ایک پنج سورہ وکٹوریہ میموریل کلکتہ میں ہے[2]

اور عبرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے ملک اور سب سے بڑی مملکت کے شہنشاہ نے کلام پاک کے انہی نسخوں کے ہدیہ کی رقموں کو اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھا، چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے:

چہار روپیہ و دو آنہ از وجہ کلاہ دوزی نزد آیہ بیگہ محلدار است بگیرند، وصرف کفن این بیچارہ نمایند، وسہ صد و ہجر و پیہ از وجہ کتابت قرآن در حرف خاص است، روز وفات بفقرا بدہند[3]

[1] عالمگیر نامہ ص۱۰۹۳ [2] تفصیلات کیلئے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف صاحب ندوی ام اے،
[3] مسرکار الاحکام عالمگیری ص۱۲ طبع ثانی بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی،

عالمگیر کی بہترین علمی یادگار اسکے **رقعات** ہیں، جس کے ادب و انشاء کی داد ہر زمانہ میں اہل علم و کمال نے دل کھول کر دی ہے، آیات قرآن مجید، احادیث نبوی، اور سعدی، حافظ، نظیری اور نظامی کے اشعار کو اس برجستگی اور خوبی سے اپنے رقعات میں نقل کرتا ہے، کہ وہ سب اسکے صحب انشاء بارے بن گئے ہیں، جنکے پڑھنے میں بڑی گھلاوٹ اور لطافت محسوس ہوتی ہے،

معاصر مورخوں نے اس کے ادب و انشاء کی تعریف اس طرح کی ہے،

"نکتہ دانی و معنی شناسی و ربط و مناسبت وکسبی آن حضرت، بمراتب نثر و انشاے انواع کلام در مرتبہ ایست کہ سخن سنجان معنی طراز و فصاحت پیشگان نکتہ پرداز از فیض تعلیم و ارشاد آن مظہر کمالات قدسی عمرہا استفادہ دقایق و رموز سخن میتوانند کرد، ہرگاہ باداے منشوریان بلاغت گستر، انشا نامہ میفرمایند، بحسن تقریر دلپذیر بنوعے تمہید مطلب و تلقین مدعی می نمایند کہ اگر نگارندہ قوت حافظہ را درج آن درِ شاہوار و لالی آبدار ساختہ بنگارش ہمان الفاظ گہر نثار بنظم و تالیفی کہ از زبان حق بیان استماع نمودہ اکتفا نماید، از تجشم فکر و تکلف انشاء مستغنی است وچون مسودہ آں درست می شود، بمطالعۂ اشرف رسیدہ از قلم بدائع رقم آن شہنشاہ نکتہ رس ہوشمند، چنداں بتصرفات مرغوب و اصلاحہاے دلپسند زینت می یابد کہ ادیب اریب از ملاحظۂ آن بعجز و قصور معترف گشتہ، سرمایہ بصیرت در اسلوب و قواعد سخن و پیرایۂ خبرت و مہارت دراں حق می اندوزد و ہمچنین مناشیر جلالت نشانی کہ منشیان بلاغت آثار بنام شاہزادہاے کامگار بخت بیدار و عمدہاے این دولت پائدار می نویسند نخست مسودۂ آن بانظر انور درآمدہ بزیور اصلاح بادشاہانہ مزین میشود"[1]

مآثر عالمگیری کا مصنف اختصار کیساتھ اسی چیز کو اسطرح لکھتا ہے:-

[1] عالمگیر نامہ ص۱۰۹۵،

"آنحضرت، او در مراتب نثر و انشا دستے تمام بود و در عبارت نظم و نثر بہرۂ تمام"[1]

یہ تو درباری مورخین کے بیانات ہیں، لیکن بیسویں صدی کے ممتاز انشا پرداز اور نکتہ سنج بھی ان کے ادب کی تعریف اسی لسانی کے ساتھ کرتے ہیں، مولینا شبلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

"عالمگیر تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا، اسکی انشا پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ اور جغرافی اطلاعوں کی یادداشت ہیں، تاہم ادائے مطلب کی قدرت عبارت کی سادگی، فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دلنشیں ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں"[2]

مولینا آزاد "دربارِ ناخواستہ" لکھتے ہیں، کہ

"عالمگیر نے دل معتدل اور زبان قادر البیان پائی تھی، اسلئے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا، یا سامنے لکھواتا تھا، کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا، وہ پچاس برس سلطنت کرکے ۱۱۱۵ھ میں فوت ہوا، اس کی تحریریں دیکھ کر تعجب آتا ہے، کہ جس طرح اورنگ سلطنت زیر قدم رکھتا تھا، اسی طرح کشورِ سخن بھی زیرِ قلم، دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے بھی ملک رانی کے پیچوں میں الجھے ہوئے ہیں، مگر عبارت صاف ہے، اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے، تمام انتظامی ہدایتیں، اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں، کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں، اس کی تحریر کو گلستاں سے تشبیہ دوں تو مضایقہ نہیں، اتنا فرق ہوگا کہ گلستان کے خیالی مضامین اور اس کے حالی عبارت اسکی جتنی پڑھنے میں سہل ہے، اتنے ہی لکھنے میں دشوار ہے"[3]

عالمگیر کے خطوط کی ہمہ گیری کے متعلق مرتب "رقعات عالمگیر" کی رائے ہے، کہ

[1] آثر عالمگیری ص ۵۳۲، [2] مضامین عالمگیر ص ۱۴۲، معارف پریس، [3] نیرنگ خیال،

"اورنگ زیب کے خطوط...... گلہائے رنگا رنگ کے بہترین مجموعہ ہیں، کہیں ذاتی حالات کے متعلق اظہار خیال ہے، تو کہیں سیاسی و معاشرتی واقعات پر تنقید، کہیں شوق وصال بے چین کئے ہوئے ہے، تو کبھی دردِ فراق نے مضطر کر رکھا ہے، کسی جگہ کسی کی شادی یا ولادت کی خوشی ہے، تو کہیں کسی کی موت کا ماتم، کسی جگہ کسی افسر کی سفارش ہے، تو کہیں تنبیہ، اگر ایک خط عمارتوں اور قلعوں کے مفصل حالات سے مملو ہے، تو دوسرا باغوں اور نہروں کی رنگین بیانی سے پر، کہیں عتاب ہے، تو کہیں عنایت، کبھی گرمجوشی ہے، تو کبھی سرد مہری، کہیں الزامات کی صفائی ہے، تو کہیں دوسرے کے خلاف شکایت، غرضکہ وہ کونسی چیز ہے، جو اس مجموعہ میں نہیں ہے، پھر وہ کونسی شے ہے، جس میں حقیقت نگاری کیساتھ کمالِ ادب کو جگہ نہیں دی گئی ہو"[1]

عالمگیر کی دوسری علمی یادگار **فتاوی عالمگیری** ہے، اس نے محسوس کیا کہ حنفی مذہب کے فقہی مسائل مخلوط طور پر تمام پھیلے ہوئے ہیں، کہیں ایک جگہ مرقوم نہیں، اسلئے کوئی ایک خاص کتاب جو تمام مسائل پر حاوی ہو، موجود نہیں، چنانچہ جب کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہوتا تھا، تو اس پر فتوی دینے کے لئے تمام کتابوں کی چھان بین کرنی پڑتی تھی، جو صبر آزما اور دشوار کام ثابت ہوتا تھا، انہی دقتوں کا لحاظ کرکے عالمگیر نے ہندوستان کے ممتاز علماء کے ایک گروہ کو حکم دیا، کہ فقہ کی تمام کتابوں سے "مفتی بہا مسائل" کا انتخاب کرکے ایک کتاب تیار کریں، اس گروہ کے صدر شیخ نظام مقرر ہوئے، علماء کے لئے وظائف کی منظوری ہوئی، آٹھ سال کی مدت میں یہ کتاب تیار ہوئی، اور اس میں دو لاکھ روپیے صرف ہوئے،

[1] مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی ص ۵۶-۵۵ ہم نمونے کیلئے اورنگزیب کے رقعات کو یہاں پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے، کیونکہ مولف مذا نے اورنگزیب کے خطوط پر ادبی حیثیت سے نہایت ہی مبسوط ناقدانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ رقعات عالمگیر ص ۵۵ تا ۹۱،

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے علماء و طلبہ کو فقہ کی تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کتاب کی تیاری کا حال عالمگیر نامہ کا مصنف اس طرح لکھتا ہے:-

"چون ہمگی ہمت والانہمت شریعت پیرائے آن خدیو دین پرور حق پژوہ مصروف است، بآنکہ کافۂ مسلمین در احکام دین متین بمسائلے کہ اکابر علماء و ائمۂ مذہب شریف حنفی بدان فتوی دادہ معمول بہا و معمول علیہا دانستہ عمل نمایند، و مسائل مذکورہ در کتب فقہ و نسخ فتاوی بنابر اختلاف فقہاء و علماء بروایات ضعیفہ و اقوال مختلفہ آنہا مخلوط است و معہذا مجموع آن در یک کتاب حاوی نیست، و تا کتب مبسوطۂ بسیار فراہم نیاید و کسی را دستگاہی وسیع بضاعتی کامل و قدرت واستحضاری وافی، در علم احکام فقہ نباشد انکشاف حق صریح و استنباط مسئلہ مفتی بہا و حکم صحیح نمی تواند نمود، لاجرم بر ضمیر مہر انوار کہ در امور دین و دولت بمقتضی الہام کارگذار است پرتو این عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے پایہ سریر اعلیٰ کتب معتبرہ و نسخ مبسوطۂ آن فن را کہ در کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ بروزگاران از اطراف و اکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انتظام منتج ساختہ از روی تحقیق و تدقیق و خوض و غور اینق بجمع و تالیف آن مسائل پردازند، و از مجموع آن نسخۂ جامعہ مرتب سازند تا ہمگنان را انکشاف مسئلہ مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آن کتاب بسہولت و آسانی دست دہد، و قضاۃ و مفتیان اسلام از جمیع کتب و دفاتر نستی و تتبع و تصفح جمیع نسخ فتاوی مستغنی باشند و سرکردگی و اہتمام این مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت کہ کرسی و اجتہاد و تمشیت این امر بہ باتفاق سایر اہل فضل و دانش و جمع و تالیف ان مسائل نماید و گروہے از فضلاء و علماء کہ در پایۂ اورنگ خلافت بودند، بدان شغل شریف مامور شدند و در اطراف و اکناف کشور فضل پرور ہندوستان ہر جا کسی بسمت اشتہار و مہارت در علوم موسوم بود، بموجب یرلیغ ہمایون منجاب والائے سلطنت

حاضر آمدہ بموافقت آن جمع تعیین یافت و ہمگی آن فریق بوظائف شایستہ و مواہب ارجمند کامیاب گشتہ بتقدیم آن امر مشغول شدند و از کبتی کہ تمشیت آن امر را در کار شود نسخ صحیحہ از کتاب خانۂ حضۂ شریفہ بفضلاء حوالہ رفت و ہر سال مبلغے خطیر در وجوہ وظائف و انعامات عمدہ و ممارسان این شغل جلیل و خطب نبیل، از خزانۂ احسان بادشاہی صرف می شود، و چون آن کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد، و بپیرایۂ اختتام پذیرد جہانیان را از سایر کتب فقہی مغنی خواہد بود برکات اجر و ثوابش ابد الآباد در نسخۂ حسنات شہنشاہ مؤید قدسی ملکات ثبت و مرقوم گشت[۱]"

عالمگیری دربار کے شعراء، عالمگیر کے دربار میں کوئی ملک الشعراء نہیں تھا، اس سے عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ عالمگیر کو شعر و شاعری سے نفرت تھی، اس لئے اس عہدہ کو اپنے دربار سے برطرف کر دیا، مگر اہل نظر یہ کیونکر یقین کر سکتے ہیں، جب کہ اس کے اکثر خطوط اشعار اور لمبی لمبی نظموں سے مزین نظر آتے ہیں[۲]، یہی نہیں بلکہ سعدی، حافظ، نظامی، نظیری، صائب، ملاشاہ اور فانی کشمیری کے دیوان کو خاص طور سے پڑھتا تھا، اوران کے اشعار زبانی یاد رکھتا تھا، بخشی الممالک مخلص خاں نے ایک بار دیوان صائب پیش کیا، جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، عالمگیر صائب کے اشعار کو پڑھکر جو معرفت و محویت میں ڈوبے تھے بہت ہی محظوظ ہوا، اور اس دیوان کو محبوب رکھنے لگا، اس میں سے مندرجۂ ذیل غزل ایک مدت تک اپنی مجلس میں بار بار پڑھا کر سنتا تھا،

خم چو گردید قدا فراختہ می باید رفت ۔۔۔ پل برین آب چو شد ساختہ می باید رفت

ہرچہ در کار بود ساختنش خود ساز نیست ۔۔۔ گو مشو کار جہان ساختہ می باید رفت

این سفر ہیچو سفرہائے دگر صائب نیست ۔۔۔ رخت ہستی زخود انداختہ می باید رفت

(ملاحظہ ہو مآثر عالمگیری انتالیسواں سال جلوس)

---

[۱] عالمگیر نامہ ص۱۰۸۶ و مآثر عالمگیری ص۵۲ [۲] مثال کے طور پر بعض نمونے ملاحظہ ہوں، ایک خط میں لکھتا ہے،

جو اشعار اسکو پسند آتے تھے، وہ خود اپنی بیاض میں لکھ لیتا تھا، اور اکثر اوقات اپنے لڑکوں کی بیاض میں بھی بالالتزام لکھوا آتا تھا، ایک رقعہ میں لکھتا ہے،

"بہدایت اللہ ذریں رقم بگوئید، کہ این رباعی در بیاضے کہ بپادشاہزادہ کام بخش مرحمت می شود، بخط خود بنویسد، ؎

آتش بدو دست خویش در خرمنِ خویش — من خود زدہ ام چہ نالم از دشمنِ خویش
کس دشمنِ من نیست منم دشمنِ خویش — اے وائے من و دستِ منؑ و دامنِ خویش

(وقائعِ عالمگیر ص۵۲)

علالت اور حتی کہ بستر مرگ پر بھی عالمگیر کی زبان پر اشعار ہوتے تھے، ۱۱۱۶ھ میں ایک بار بیمار پڑا، تو ضعف کی حالت میں یہ اشعار ترنم کے ساتھ پڑھ رہا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۵)

خان جہان بہادر درگذشت، انا للہ وانا الیہ راجعون، سبحان اللہ آدمی چہ قدر غافلست؟ و نفس تا کجا بر و غالب؟ درین ایام صوبداری دکھن می خواست و بجہ دیگر می آرزوے آن می کرد؟ آرے کار نفس بدتر ازین است، ؎

گفتن این کار عقل و ہوش نیست، — شیر باطن سخرۂ خر گوش نیست،
مائے را لقمہ کرد و درکشید، — معدہ اش نعرہ زنان ہل من مزید
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدہاست — کو بدریاہا نگردد کم و کاست،
ہفت دریا را در آشامد ہنوز، — کم نگردد سوزش این خلق سوز،
سنگہا و کافران سنگ دل، — اندر آیند اندران خوار و خجل،
ہم نگردد ساکن این چندین غذا، — تا ز حق آید مرا در این ندا،
سیر گشتی سیر گوید نے ہنوز، — این است آتش این است تابش این است سوز

بہشتاد و نود چوں در رسیدی — بسا سختی کہ از دوراں کشیدی
دراں جا چوں بصد منزل رسانی، — بود مرگے بصورت زندگانی

امیر خاں نے جو اسوقت مقرب خاص تھا، عالمگیر کو اشعار پڑھتے سنا تو عرض کیا کہ نظامی گنجوی نے ان ابیات کی تمہید میں یہ بیت کہی ہے،

پس آں بہتر کہ خود را شاد داری — دراں شادی خدا را یاد داری،

عالمگیر نے اس شعر کو کئی بار سنا، پھر اپنی بیاض میں لکھوایا، اور مدت تک پڑھا،[1] بستر مرگ پر یہ شعر اکثر اسکے ورد زبان رہتا تھا،

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم، — دگر گوں می شود احوالِ عالم،[2]

---

[1] مآثر عالمگیری واقعات ۱۱۱۶ھ، ص۵۲ ،، واقعات ۱۱۱۸ھ

(بقیہ حاشیہ ص۳۴۶)

حق قدم بر وے نہد از لامکاں — آنگہ او ساکن شود از کن فکاں
چونکہ جزوِ دوزخ است این نفس ما — طبع کل دارد ہمیشہ جزوہا،
این قدم حق را بود کو را کشد، — غیرِ حق خود کے کماں او را کشد،
تو تے خواہم ز حق دریا شگاف — تا بسوزن بر کنم این کوہ قاف،

او تعالیٰ توفیق کرامت کند و ازیں نیزہ روزہ رہائی بخشد، بحرمۃ محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام،

(وقائعِ عالمگیر مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی ص۴۹)

۲- ایک بار شہزادہ بیدار بخت (خلف اکبر محمد اعظم) نے اپنی محبوبہ بیگم شمس النساء عتیبہ سید ممتاز خان کو غصہ کی حالت میں پاجی کی لڑکی کہا، خوددار بیگم نے شہزادہ سے بولنا چھوڑ دیا، عالمگیر کو خبر ہوئی، تو بیدار بخت کو اس دلچسپ انداز میں خط لکھا،

صبحدم مرغِ چمن با گل نو خاستہ گفت — ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ وہ خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا تھا، ہم کو اس کا صرف ایک شعر مل سکا ہے، اور وہ یہ ہے،

غم عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم ۔ چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را[1]

ان حقیقتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے، کہ عالمگیر کو شعر و سخن سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ عملی اور کار فرما دل و دماغ لیکر آیا تھا، وہ تفریحی مشاغل کا شیدا نہ تھا، اسکی سنجیدہ اور متین طبیعت شعراء کی مبالغہ طرازیوں، خوشامدانہ مداحیوں، اور جھوٹی بناوٹی باتوں کو نہیں پسند کرتی تھی، چنانچہ مراۃ العالم میں ہے،

"ودر مراتب نثر و انشاء دستے تمام داشت و در مہارت نظم ہم بہرہ تمام اما بمؤداے مستشہد صادق کریمہ والشعراء یتبعھم الغاؤن متمسک گشتہ توجہ باستماع شعر ندارند،

[1] بحوالہ بادشاہ نامہ عالمگیری از ذکاء اللہ ص ۴۷۵،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۷) گل بخندید کہ از راست نرنجم، لیکن ۔ ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نگفت،

بال نور الابصار واضح باد کہ در ایام جوانی کہ اصطلاح بواج مصاحبان شما جوانی دیوانی می گوئیند ما را ہم دراں ایام این تعلق با شخصیکہ نہایت تجرد داشت بہم رسیدہ بود تا حیات محبت او را بانجام رسانیدیم و گاہے آزردہ نکردیم دیگر آن کہ با سادات لفظ باجی گفتن محض باجی گری است، کسے اگر سید را باجی بگوید البتہ باجی نخواہد شد، اگر از نوشتۂ محمد دار و ناظر رضامندی آن سیدہ نشود بتاب، بلکہ عقاب گرفتار خواہید شد، جزاءً بما کانوا یعملون (ایضاً ص ۔)

۳- شاہزادہ محمد اعظم کو ایک موقع پر تنبیہ کرتا ہے،

عجب از آں فرزند کہ صحبت ما ہیچ اثر نہ کردہ؟ از احتیاط و دور بینی ہزار مرحلہ دور افتادہ الحزم سوء الظن بخاطر نیاوردہ و آیت وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ بہرہ نیافتہ،

مرغے کہ زیرک است دریں بوستان سرا ۔ گل را خیال چنگل شہباز می کند،

تا بشنیدن اشعار چہ رسد الا شعر کہ متضمن موعظت باشد،

نہ کردہ بہر رضائے خدائے عزوجل ۔ نہ چشم سوئے غزال و نہ گوش سوئے غزل

مآثر عالمگیری کا مصنف بھی یہی لکھتا ہے،

"اما بمؤداے مستشہد صادق کریمہ الشعراء یتبعھم الغاؤن متمسک گشتہ توجہ باستماع شعر بے فائدہ نداشتند یا بشنیدن اشعار مدح چہ رسد، الا شعرے متضمن موعظت باشد،

نکردہ بہر رضائے خدائے عزوجل ۔ نہ چشم سوئے غزال و نہ گوش سوئے غزل[1]

ایک بار سلطان شادماں نے اس کی مدح میں مندرجۂ ذیل قصیدہ اسکے سامنے پڑھا،

آں کیست کو ز حلقۂ لعلت نشاں دہد ۔ در خواب اگر دہد بطریق گماں دہد،

آب حیات خضر کہ عمریست جاوداں ۔ تاکے ز حسرت لب لعل تو جاں دہد،

[1] مآثر عالمگیری ص ۳۲-۵۳۲،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸)

خوں می چکد ز زخم نمایاں ز خندہ اش، ۔ کبکے کہ بے ملاحظہ پرواز می کند،

مردے در تہوری و بے باکی نیست بلکہ در خود شکنی ست،

کمال مردی و مردانگی ست خود شکنی ست ۔ ببوس دست کسے را کہ این کمان شکند،

۴- ایک دوسرے رقعہ میں لکھتا ہے:-

"بفرزند عالیجاہ عرضداشت کنند کہ ایشان استشفاع تقصیر اعتبار خان کردہ اند، احتمال قوی کہ سید سعد اللہ درویش نوشتہ باشد بنویسید کہ عبد القادر بیدل دریں مقام دو مصراع دلچسپ گفتہ،

تیر س از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید،

(رقائع عالمگیر ص ۱۲۲)

فکر سخن طراز کہ خضر یست فی المثل ، — خود در عدم ردد چون نشان زان میان دہد

ابر قلم کہ آب سیہ می چکد ازو ، — رنگ سخن ز وصف لب گل رخان دہد

قد تو در خرام بگلگشت بوستان ، — صد پیچ و خم زشرم بسرو جوان دہد

آنجا کہ اوست نالۂ عاشق کجا رسد ، — گر بال جبرئیل بمرغ فغان دہد

از چشم جانستانش چو خواہم حیات تو — مژگان جواب من بزبان سنان دہد

گر دل ستاند از نگہ عشوہ آفرین — صد دل عوض ز طرۂ عنبر فشان دہد

چون شیشۂ شراب کہ با محتسب دہند — کس دل بجرا بدست تو نامہربان دہد

نازم بچہرہ کہ بہنگام مے زعکس — رنگینی بہار بفصل خزان دہد

ہر چیز را نتیجہ آفریدہ اند ، — کے سرمہ در گلو اثر زعفران دہد

من خود بدرد یار خوشم ورنہ روزگار — کے این قدر الم بدل شادمان دہد

چشمش با بروان و مژہ گشت عالمی — کس ترک مست را ز چہ تیر و کمان دہد

زلفش مزوریست مکن اعتبار او ، — از عشوہ گر دلی بتو شب درمیان دہد

مضمون دلنشیں کہ رسد از جہان غیب — یاد از طراوت سخن باستان دہد

مرد آن بود کہ ہمہ عالم بدو دہند — دل کم دہد بشادی و غم تا کہ جان دہد

ماجان بنقد مہر و وفا دادہ ایم و بس — دیوانہ نیستیم کہ جانی بنان دہد

شاید مراد من کہ نخواہم ز آسمان — اورنگ زیب عادل گیتی ستان دہد

شاہی کہ از برائے سر دشمنان دین — بہر نثار گوہر تیغ یمان دہد

بہرام صولتے کہ زنہیش پئے گریز ، — گردون عنان خود بر ہ کہکشان دہد

تا ارض بر سکون و سما در تحرک است — تا چتر آفتاب ز مشرق نشان دہد

زیبندہ باد بر سر اورنگ سلطنت

تا ابر و مہر راتب دریا و کان دہد

باوجودیکہ اورنگزیب اپنی مدح سرائی کو مطلق پسند نہ کرتا تھا، اور شاعروں کی قصیدہ خوانیوں کو فعل عبث سمجھتا تھا، چنانچہ شادماں کو آیندہ مدح سرائی کرنے سے منع کیا، لیکن ان میں سے بعض اشعار کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے بہت پسند کیا، اور بار بار پڑھوا کر سُنا، چنانچہ مراۃ الخیال میں ہے،

"سلطان شادمان قصیدۂ مشتمل بر مدح گفتہ بسمع مبارک رسانید و بعض ابیاتش پسند خاطر فیض افتاد، و بتکرار استماع فرمودند"[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ باوجود اس ذوق شعری کے ملک الشعرار کے عہدۂ جلیلہ کو دربار سے کیوں تخفیف کر دیا، یہ سوال ذرا غور طلب ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس عہد کے ممتاز ترین شعرار کون تھے، موسوی خان، شیخ ناصر علی سرہندی نعمت خان عالی، عاقل خان رازی، ملا اشرف مازندرانی وغیرہ وغیرہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا، جو فیضی، طالب آملی، قدسی اور ابو طالب کلیم کا مد مقابل ہو سکتا تھا، پھر ان میں کسی کو ملک الشعرار کے خطاب فایقہ سے سرفراز کر کے ان نادرۂ روزگار شعرار کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا، تو کیا عالمگیر کے علم و ادب کے بلند اور اعلیٰ ذوق پر حرف گیری نہیں ہوتی؟

(باقی)

[1] مراۃ الخیال ص ۲۵۲، ۲۵۳،

آزادی کا اخلاقی مفہوم

از

جناب پروفیسر معتضد ولی الرحمن صاحب ام اے

(۳)

۹۔ آزادی اور جبریت میں عدم تناقض

آزادی کے اہم معنی بلاشبہہ تعریف و توجیہ طلب رہ جاتے ہیں، ان میں سے پہلے معنی تو گویا آزادی کا سلبی پہلو ہے، یعنی ارادے پر خارجی موانع کا فقدان، دوسرے معنی اخلاقی آزادی یا زندگی کی حقیقی آزادی ہے، پہلے معنوں میں ایک فعل اسوقت آزاد کہلاتا ہے، جب یہ ہماری مرضی اور خواہش کے مطابق ہو جب اس کے ذریعے سے ہم شعوراً اپنے مقصد کا اظہار کریں، اور خارجی رکاوٹیں، یا کسی اور کا ارادہ ہمارے ارادے میں مزاحم نہ ہو، ان ہی معنوں میں ہم تیز رو ندی کو عبور کرنے میں آزاد ہوں، بہ شرطیکہ بارش سے اس کا پل بہ نہ گیا ہو، اسی میں ایک شکار کا پہاڑ کی چوٹی تک تعاقب کرنے میں آزاد ہوں بہ شرطیکہ ہماری طاقت جواب نہ دے چکی ہو، ہم ایک جائداد خریدنے میں آزاد ہوں، بشرطیکہ ہم اس کے مالک کو اسکے بیچنے پر آمادہ کرسکیں، ان معنوں میں بدکار اپنے افعال میں اتنا ہی آزاد ہے، جتنا کہ نیکوکار، بہ شرطیکہ سوسائٹی یا خارجی قوتیں اس کی مزاحم نہ ہوں آزادی کے ان معنوں میں بدکار اور نیکوکار جو کچھ چاہیں کرسکتے ہیں، جبریت کا دعوی ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی جو کچھ کرتا ہے، اس کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے،

اگر مذکورۂ بالا آزادی کو ہم موانع کی آزادی کہیں، تو اخلاقی آزادی یا زندگی کی آزادی کا اہم ترتخیل قابل غور رہ جاتا ہے، اگر بدکار موانع سے اتنا ہی آزاد ہو جتنا کہ نیکوکار، تب بھی وہ اخلاقاً آزاد نہیں، کیونکہ اس میں اور خود اس کی فطرت اور اس کے اخلاقی نظام میں تنازع ہے، اخلاقی آزادی حسب خواہش عمل کرنے کو اتنی ہی متضمن ہے، جتنی کہ شہری آزادی، جس طرح سلطنت میں صرف وہ اشخاص حقیقۃً آزاد ہوتے ہیں، جو معقول قوانین کے پابند ہوں، اسی طرح وہ اخلاقاً آزاد صرف اسوقت ہوتے ہیں جب انکا عمل ایک حقیقی اخلاقی معیار کے اقتضار سے معین ہو، جس حد تک کوئی خطا اور ثواب کے متعلق متذبذب رہتا ہے، یا بدی کیساتھ آنکھ مچولی کھیلتا ہے، اسی حد تک وہ اخلاقاً آزاد نہیں ہوتا، کیونکہ اس حالت میں بدی اسکو کھینچتی ہے، اور اس پر اثر کرتی ہے، اور کوئی شخص جسقدر زیادہ کشش بدی کی محسوس کرتا ہے، اسی قدر زیادہ وہ اس کا محکوم ہوتا ہے، اخلاقی آزادی اصلی معنوں میں اخلاقی غلامی کی ضد ہے، نیک زندگی کا تجربہ آزادی ہے، اور بدزندگی کا تجربہ غلامی، مختصر یہ کہ سلبی معنوں میں آزادی اُن ادنی ہیجانات اور خواہشات کی قوت سے آزادی کے ہم معنی ہے جو ذات کی ترقی اور اس کے توازن کو تباہ کرتے ہیں، اخلاقی آزادی ایک داخلی توازن پیدا کرتی ہے، اس میں ذات کے تمام ملکات کا منصفانہ اظہار ہوتا ہے، یہ گویا اس فساد اور بے ترتیبی کی ضد ہے، جو متقابل اشتہاآت منتظم اور زیر تصرف نہ ہونے کی صورت میں ہماری فطرت میں پیدا کرتے ہیں، یہ آزادی عقل کے قاعدے سے حاصل ہوتی ہے، جس کے مطابق ہمارے جزئی اور متنازع مقاصد و خواہشات ہماری زندگی کے مرکزی مقصد کے محکوم ہو جاتے ہیں، اخلاقاً آزاد صرف وہ زندگی ہوتی ہے، جس نے اپنی وحدت کو اور اس طرح توازن اور تسکین کو حاصل کرلیا ہے، لیکن اس اخلاقی آزادی کو زندگی کی آزادی کہنا بہتر ہوگا، نہ ارادے کی آزادی، کیونکہ اس میں ایک ایسا ارادہ شامل ہے، جو زندگی کے مقصد کی خاطر قیت کے قوانین سے معین ہوتا ہے، عام مذہبی تفکر

ہیں اس واقعہ کو ضمناً تسلیم کیا گیا ہے، خدا کی فطرت کا جو عام تخیل ہے، اس کے مطابق وہ کلیتہً مجبور بھی ہے، اور کلیتہً آزاد بھی، اپنے انتخاب میں وہ نیکی پر مجبور ہے، وہ بدی کا ارادہ، اور دو متبادل طریقوں میں سے بُرے طریق کا انتخاب نہیں کرسکتا، ایسا کرنا خود اس کی فطرت کے منافی ہے، یعنی ایسا کرنے سے وہ خدا ہی نہیں رہتا، اس کے ساتھ ہی اس نصب العین خیر کے معین ہونے سے حیات خداوندی کی کامل آزادی، توازن اور تسلی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی آزادی کا نصب العین بھی آزاد یعنی غیر مجبور و غیر معین ارادہ نہیں، بلکہ زندگی کی ایسی آزادی ہے، جو صادق بصیرت سے معین کئے ہوئے ارادے سے حاصل ہو، ہماری اخلاقی آزادی، قانون کی حکومت سے آزادی کے ہم معنی نہیں، آزاد ہونے کے باوجود ہم اسی ملک کے باشندے رہتے ہیں، اور ایک مکمل منتظم نظام حکومت کے تمام اقتضاآت کے تابع ہوتے ہیں، لیکن اخلاقاً آزاد شخص نے اپنی فرمانبرداری کو غیر منظم ہیجان و خواہش سے عقل و صداقت کے قانون کی طرف منتقل کیا ہے، اب "ہم غلام عورت کی اولاد نہیں، بلکہ آزاد عورت کی اولاد ہیں"

ظاہر ہے کہ اس اخلاقی آزادی کا درجہ ہر شخص میں مساوی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی انفرادی زندگی کی تکمیل کے مطابق بے شمار درجے ہوتے ہیں، اس عقیدے سے غلط تر عقیدہ اور کوئی نہیں ہوسکتا، کہ ہر شخص پیدائش کے وقت آزادی کی پوری مقدار کا حامل ہوتا ہے، جو تمام عمر اس سے چھینی نہیں جاسکتی، ہماری آزادی مکمل نہیں ہوتی، یہ معرض تکوین میں ہوتی ہے، جو شخص حیوانات کی طرح ہر دم بدلنے والے ہیجانات و اشتہاآت کا محکوم ہے، اور خود اپنی مجموعی زندگی سے ان کے تعلق اور ان کے معنون کا لحاظ نہیں کرتا، وہ اخلاقی آزادی میں بہت کم حصہ رکھتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، وہ غلام ہے، لیکن تمام نمو پذیر ذاتوں جنہیں عمر یا عادت نے عمل کے راستے کو آخری طور پر متعین نہیں کیا ہے، آزادی ایک ترقی کرنے والا عمل ہوتا ہے، اور بڑھنے والی قوت ہوتی ہے، آہستہ آہستہ تجربے کے سکھائے ہوئے

سبق عقل بن جاتے ہیں، متنازع خواہشات پر رفتہ رفتہ غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور زندگی کے تمام حصے ایک مرکزی مقصد کے مطابق ہوجاتے ہیں،

اب ہم علم اور اخلاقی آزادی کے اہم تعلق کو معلوم کرسکتے ہیں، جس عمل سے آزادی حاصل کیجاتی ہے، وہ روشنی طبع کا عمل ہے، صداقت اخلاقی تعلقات، اور اخلاقی قوانین کا واضح ادراک، فطرت انسانی اور اسکی حقیقت کا فہم یہ وہ چیزیں ہیں، جو انسان کو آزاد کرتی ہیں، ان کے علاوہ التباس و خطاء سے بچنے کو بھی اخلاقی آزادی کہا جاسکتا ہے، انسانی آزادی کو حیوانی زندگی کی خودروی سے متمیز کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ انسان میں سیکھنے اور اپنے علم کو رہنمائی اور خود تعیینی کا باطنی اصول بنانے کی قابلیت بہ درجہ اولیٰ ہوتی ہے، بغیر نصف کرہ (Hemisphere) کی مچھلی کے مقابلے میں ہم زیادہ حقیقی معنوں میں خود اپنی تعیین کرنے والے فاعل ہیں، کیونکہ مچھلی کی خلقت تو ایسی ہوئی ہے، کہ وہ چارے کو دیکھ کر اس کو کھانے پر مجبور ہے، خواہ وہ تھوڑی ہی دیر پہلے اس کہ سے آزاد ہوئی ہو جو اس چارے کے اندر چھپا ہوا ہے، اس کے برعکس ہم اس گلاس کو جو ہونٹ تک جاچکا ہے، واپس میز پر رکھ سکتے ہیں، اور اپنے کام اور اپنی شہرت پر اس کے اثر کو غور کرسکتے ہیں، وسیع تر اور بہتر زندگی کے تخیلات اتفاقی واقعات سے نہیں، بلکہ ایسے منتظم اعمال سے تعبیر کئے جاتے ہیں، جو ذہنی زندگی میں واقع ہوتے ہیں، یہی اعلیٰ ذات ہمارے تفکر میں متحضر ہو کر ایک کھینچنے اور مجبور کرنے کی قابلیت بنجاتی ہے، دوسرے الفاظ میں یہی اخلاقی زندگی میں تعیین کرنے والی قوت کہلاتی ہے، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، اسی طرح غایت علت فاعلی کی شکل اختیار کرلیتی ہے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے اخلاقی انتخابات ہمارے خیالات کے دائرے کے اندر محدود ہوتے ہیں، کوئی شخص وہ نیکی منتخب نہیں کرسکتا جس سے وہ لاعلم ہے، غلامانہ اور اخلاقاً غیر آزاد روح کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ صاف طور پر ایک ایسی بہتر زندگی کو معلوم کرلے، جو موجودہ زندگی پر فوقیت رکھے، عمل میں تغیر کرنے کے لئے ذہن کا تغیر پہلی شرط

ہے، یہ ایک اہم بات ہے، کہ جن مذاہب اور فلسفوں نے اخلاقی زندگی کے مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کی ہے، اُن سب نے بدی سے نجات حاصل کرنے کو روشنی طبع پر مشروط کیا ہے، "جب صداقت تم کو آزادی دلائے تب تم حقیقۃً آزاد ہو" لہذا صرف متعلم کی حیثیت سے انسان آزاد ہو سکتا ہے، اور اسی علم کے ذریعہ سے وہ اپنے ماضی سے تجاوز کر سکتا ہے، کسی محدود اور اصطلاحی معنوں میں نہیں، بلکہ وسیع ترین معنوں میں، علم فطرتِ انسانی کا تجاوز کرنے کا اصول ہے، لیکن یہ تجاوز ذہنی زندگی کے معیّن طور پر مربوط اعمال سے بچنے کے ہم معنی نہیں، یہ دراصل ان اعمال میں اور ان کی مدد سے ترقی کے مساوی ہے،

۱۰۔ جبریت پر بعض اعتراضات کا جواب

ابھی بعض ان مشکلات اور اعتراضات کا جواب دینا باقی ہے، جو اختیاریت پیش کرتی ہے، سب سے پہلا اعتراض یہ ہے، کہ ہمیں تسلیم ہے کہ جبریت میں اخلاقی ترقی کی گنجائش ہے، لیکن کیا یہ عقیدہ آزادی کے اس شعور کے متناقض نہیں، جو ہر عمل کے انتخاب کے وقت ہم میں سے ہر ایک کے تجربے میں آتا ہے؟

جواباً کہا جا سکتا ہے کہ اگر مذکورہ احساس شعور کا عام واقعہ ہو بھی، تب بھی اس غیر ناقدانہ احساس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی، اب اگر یہ صحیح ہے کہ ہم میں ان معنوں میں آزاد ہونے کا شعور ہے، جن میں کہ لفظ آزادی کو یہاں استعمال کیا گیا ہے، تو بھی بہ حیثیت حکمی ثبوت کے اس احساس کی اتنی ہی قیمت ہے، جتنی اس احساس کی کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، فلکیات کے لئے ہے"، دوسری بات یہ کہ ایسے شعور کی عمومیت مشکوک ہے، ممکن ہے یہ ان لوگوں میں عام ہو، جن کی تعلیم ایسے خاص نظریوں کے زیر اثر ہوئی ہے، جن کی وجہ سے ان کے ذہن اس عقیدے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، لیکن جن لوگوں کی تعلیم مختلف نظریوں کے زیر اثر ہوئی ہے، ان میں یہ نا پید ہے، آخری بات یہ ہے، کہ شعور کا یہ فتویٰ جہاں کہیں، اور جس درجے میں بھی پایا جاتا ہو، ہر صورت میں اس کی ایسی نفسیاتی توجیہ ممکن ہے، جو جبریت کے

عین مطابق ہوتی ہے، مستقبل کی طرف سے لاعلم رہنے کی صورت میں فیصلے کے وقت تک ہم اپنے انتخاب کو بظاہر غیر معین سمجھتے ہیں، جہاں تک ہمارا موجودہ علم ہماری مدد کرتا ہے، یہ فیصلہ امکانات میں سے کسی ایک کے مطابق ہو سکتا ہے، جب ہستیاں عالم الکل نہیں، ان کے لئے اس قسم کا ابہام ناگزیر ہے، بہت سے متبادل طریقِ عمل میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ صادر کرنے میں ہمیں کسی قدر دقت کیوں نہ پیش آئی ہو، لیکن اتنا ظاہر ہے کہ اس فیصلہ کرنے کے وقت ہماری ذات ایسی تھی، کہ کوئی اور فیصلہ صادر نہ کر سکتی تھی، ہم کو یہ سمجھنا چاہئے، کہ اعمال کے سلسلے میں ایک عمل دوسرے کو معین کرتا ہے، بلکہ درحقیقت ذات اپنے اعمال کو یکے بعد دیگرے معین کرتی ہے،

جبریت پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس کے مطابق ہمارے گذشتہ اعمال عام اس سے کہ وہ اچھے تھے، یا برے، اس سے مختلف نہ ہو سکتے تھے، جیسے کہ وہ تھے، کل کے بُرے کام پر آج ہم پچھتاتے ہیں، لیکن وہ لازمی اور ناگزیر تھا، گذشتہ اعمال کے وجوب و ضرورت کے خلاف اختیاریت بغاوت کرتی ہے، اور پھر احساس آزادی کی طرف مرافعہ کرتی ہے، جو اس کے نزدیک صدورِ فعل سے پہلے بھی ہوتا ہے، اور بعد میں بھی، اس کا دعویٰ ہے کہ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ہمارا فعل اس سے مختلف ہو سکتا تھا،

لیکن اگر ہم اپنے گذشتہ عمل پر غور کریں، تو کیا اس وقت کے داخلی و خارجی حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد بھی ہمیں کبھی ایسا معلوم ہوا ہے، کہ ہمارا عمل مختلف ہو سکتا تھا؟ ہرگز نہیں، جب ہم اس معاملے پر بعد میں غور کرتے ہیں، تو ہمارا احساس یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم ویسے ہی خارجی حالات میں دوبارہ عمل کریں تو ہمارا فعل مختلف ہو سکتا ہے، اور کیوں؟ محض اس وجہ سے کہ ہم باطناً بدل چکے ہیں، اگر کوئی شخص اُن ہی حالات میں دوبارہ عمل کرے، جن میں کہ کل کا ماسوف علیہ عمل ہوا تھا، تو نتیجہ بلاشبہ مختلف ہوگا، اسکی وجہ یہ ہے کہ آج کے وسیع تر تجربے اور نئے خیالات و احساسات کے مطابق اس عمل پر پچھتایا جاتا ہے، یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اس انتخاب کے پانچ منٹ بعد ہی پھر وہی صورتِ حالات پیدا ہوتی، تو بھی

ہمارا عمل مختلف ہوتا، اس کی وجہ بھی وہی ہوتی، میرا عقیدہ ہے کہ اگر ہم سنجیدگی کے ساتھ اپنے آپ سے یہ سوال کریں، کہ آیا ہمارا فعل بالکل اسی صورتِ حالات میں اسی احساس وعلم و نقطۂ نظر کیساتھ، اور بعد کے تجربے کی روشنی کے بغیر اس سے مختلف ہوسکتا تھا، جیسا کہ وہ زمانہ گذشتہ میں تھا، تو ہم بلا تامل جواب دیں گے، کہ ایسا نہیں ہوسکتا، اور یہ کہ ہمارا انتخاب بالکل وہی ہوگا،

اب رہ گیا یہ واقعہ کہ اشخاص گذشتہ افعال کے متعلق کہا کرتے ہیں، کہ "وہ مختلف ہوسکتے تھے" تو اس کا معاملہ اس طرح ہے کہ کسی فعل کے متعلق فیصلہ کرنے سے قبل ہم ایک یا دو متنازع راستوں کو واقعۃً ممکن سمجھتے ہیں، اس طرح کے دُہرے امکان کا خیال تمام شک، بحث اور تذبذب کی لازمی شرط ہے، ان میں سے کسی ایک متبادل راستے کو پہلے ہی سے ممکن سمجھ لو، تو تمام بحث فوراً ختم ہوجاتی ہے، اور یقین عدم یقین کی جگہ لے لیتا ہے اور فیصلہ تذبذب کی اب صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے، اور ہم اپنے آپ کو اس کی سمت میں مجبور پاتے ہیں، لیکن ہماری حالت یہ ہوتی ہے، کہ صدورِ فعل سے قبل ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ دو متبادل راستوں میں سے ہم کس کا انتخاب کریں، یہ تذبذب شعور میں دو طریق عمل کے حقیقی امکان کی صورت میں باقی رہتا ہے، پھر جب ہم اس معاملے پر نگاہ واپسیں ڈالتے ہیں، تو ہم اس سے پہلے کی ذہنی حالت کو اس عام قول میں ظاہر کرتے ہیں، کہ "یہ مختلف ہوسکتا تھا" یہ عجیب بات ہے، کہ ہم یہی فقرہ ان واقعات کے متعلق بھی استعمال کرتے ہیں، جن کو سب عقلمند آدمی متفقاً لابدی کہتے ہیں، مثلاً کسی نچے یا کھلاڑی کے خطرناک کرتب کے بعد ہم کہا کرتے ہیں "کہ تمہاری ٹانگ ٹوٹ جاتی" ظاہر ہے کہ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا، کہ ان تمام حالات میں، جو اس خاص وقت تھے، یہ نتیجہ حقیقۃً ممکن تھا، اگر نظامِ فطرت میں یہ ممکن ہوتا، تو یقیناً ظاہر ہوجاتا، بلکہ ہمارا مطلب صرف یہ ہوتا ہے، کہ اس واقعہ سے قبل ایسے حالات موجود تھے، جن کی وجہ سے ہمیں تشویش ہوگئی تھی، اس سبب سے کہ ہم نتیجے سے لاعلم تھے، اس کے علاوہ ہمارا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر یہ افعال جاری رکھے گئے، تو ان کا

انجام اچھا نہ ہوگا، کیونکہ عوارضِ حالات اور خود اپنے عضلات پر ہمارا تصرف ایک ہی سا نہیں رہتا، بہر حال یہ فقرہ کہ "یہ مختلف ہوسکتا تھا" دونوں صورتوں میں مساوی معنی رکھتا ہے،

۱۱- قسمت[1] اور جبریت

جن لوگوں نے جبریت کے پورے معنوں کو اخذ نہیں کیا ہے، وہ معترض ہیں کہ یہ قسمت کے لئے ایک نرم اصطلاح ہے، اور یہ کہ یہ دونوں عقائد اخلاقی جد وجہد کے لئے مساوی طور پر مہلک ہیں، لیکن دو اہم نکتے ایسے ہیں، جن کی وجہ سے جبریت اور قسمت میں فرق ہوجاتا ہے، اول قسمت عام طور پر غلط قنوطیت کے ایک امید سوز عقیدے کی طرف اشارہ کرتی ہے، یہ اس واقعے کو نظر انداز کرتی ہے، کہ انسان کے آیندہ فعل لازمی نہیں کہ اسکے گذشتہ افعال کے مشابہ ہوں، اور یہ کہ ان کی تبدیلی کا امکان ہر وقت رہتا ہے، یہ صحیح ہے کہ کوئی گذشتہ فعل ان حالات میں جو اسوقت تھے، مختلف نہ ہوسکتا تھا، لیکن مستقبل کا معاملہ اس سے الگ ہے، اگر ہم اس قول کی کہ "یہ مختلف ہوسکتا تھا" اہمیت کو بہت کم کرنے اور اسکو اس واقعہ سے قبل کے واقعات کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار سمجھنے پر مجبور ہیں، تو ہمارا یہ عزم کہ "ہم مختلف بنیں گے" ایک بالکل مختلف معنی رکھتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل میں ایک نیا ذہنی رویہ پیدا ہوچکا ہے، اس طرح اگر بعینہٖ وہی خارجی حالات دوبارہ پیدا ہوں تو داخلی حالات مختلف ہوں گے، اور اس طرح نئے انجام کی گنجائش نکل آوے گی، لہذا مستقبل میں بدی کے بجائے نیکی کا انتخاب ہوسکتا ہے، ہم کسی ناقابلِ تغیر نظامِ عمل کے پابند نہیں، جس وسیع کل میں تمام واقعات ہمارے نزدیک نہ ٹوٹنے والے رشتے میں منسلک ہیں، وہ سکونی دنیا نہیں، اس میں حرکت ہوتی ہے، تغیر ہوتا ہے، اور زندگی ہے، ذہنی دنیا کو معین طور پر متعلق و مربوط کہنے سے نئے تجربات اس دنیا میں سے اسی حد تک خارج ہوتے ہیں، جس حد تک کہ ایک ایسا ہی تخیل، جس کا ذی فکر انسان فطرت پر اطلاق کرتے ہیں، اس فطرت میں سے نئے واقعات کو خارج کرتا ہے،

[1] Fatalism

دوم۔ قسمت ذات کی کارفرمائی کو بھی نظر انداز کرتی ہے، اور انسانی زندگی کو خارجی قوتوں کا کھیل سمجھتی ہے، اس کے نزدیک کائناتی عمل ذاتی تقدیر کو معین کرتا ہے، اس تعیین میں وہ شعور کی باطنی دنیا کو ملحوظ نہیں رکھتی، قسمت فرض کرتی ہے، کہ انسانی تقدیر انسانی فعل کے بغیر معین ہوتی ہے، جبریت اس کو انتخاب کا نتیجہ سمجھتی ہے، کسی شخص کی تقدیر اسکی فطرت اور اسکے افعال کے بغیر معین نہیں ہوتی اگر کل جزو کو معین کرتا ہے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ یہ تعیین جزو کی شرکت کے بغیر نہیں ہو سکتی، یہ خیال رکھنا چاہئے کہ دنیا اور ذات کا کمیتی مقابلہ یعنی ایک کو بہت بڑا، اور دوسری کو بہت چھوٹا کہنا گمراہ کن ہے، ہر عقیدے کے مطابق فرد تمام اشخاص و اشیا کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہوتا ہے، لیکن جہانتک کسی خاص ذات کی تقدیر کا تعلق ہے، یہ ذات جیسی کچھ ہے، اور جو کچھ وہ کرتی ہے یہی سب سے بڑا عنصر ہے، اس میں کلام نہیں کہ ہم ایک کائناتی قوت کے تابع ہیں، لیکن قسمت اس واقعہ کو ملحوظ نہیں رکھتی، کہ یہ قوت بعض غایات کو صرف ہمارے تفکر اور ارادے کے ذریعہ سے حاصل کرتی ہے، یہ بھی اکثر بھلا دیا جاتا ہے، کہ نفس اختیاریت ایک دوسری قسم کی قسمت میں تحویل ہو جاتی ہے، اگر بلا محرک انتخاب اور اندھا دھند ارادے کی قوت فی الواقع موجود ہوتی، تو ہم بجا طور پر شکایت کر سکتے تھے، کہ اسی حد تک ہماری زندگی بدترین قسم کی قسمت یعنی بخت و اتفاق کے حوالے ہو جاتی ہے،

قسمت کے مطابق ہماری تقدیر کو ایسی قوتیں معین کرتی ہیں، جو ذات سے باہر ہیں، اگر یہ عقیدہ اخلاقی جد و جہد کے لئے مہلک ہے، اور جمود و خمود یا عوارض حالات کی غلامی کو پیدا کرتا ہے، تو جبریت اس سے بالکل مختلف ہے، یہ ذات کو انسانی زندگی کی تعیین کے لئے ایک کارکن اور اہم عنصر سمجھتی ہے تحریض سعی و عمل صرف اس وقت مفقود ہو سکتی ہے، جب ہم اپنے مستقبل کے متعلق کامل و مکمل علم رکھتے ہوں، اس صورت میں زندگی اپنی دلچسپیوں کو یقیناً کھو دے گی، کیونکہ ہم اپنے تجربات کو مستقبل کے ہاتھوں سے چھین کر قبل از وقت اس کے مالک بن جائیں گے، لیکن جبری عقیدے کے مطابق ہماری جیسی محدود ہستیوں کے لئے

زندگی ہمیشہ ایسی چیز دل کی راز کشائی کو باقی رکھے گی، جو تا حال نامعلوم ہیں، ان میں ان غایات کے حصول کا شوق باقی رہے گا، جو ابھی حاصل نہیں ہوئیں، اور تجربے میں نہیں آئیں، جب ہم کسی شکار کا تعاقب کرتے ہیں، تو ہماری دلچسپی اس وجہ سے کم نہیں ہو جاتی، کہ ہمارا راستہ پہلے ہی سے معین و مقرر ہے، یا یہ کہ ہم سے قبل اور بہت سے لوگ اس کو طے کر چکے ہیں، جب ہم خود اس کو پہلی مرتبہ طے کرتے ہیں، تو اس میں ندرت کی تمام دلکشیاں موجود ہوتی ہیں، یہی حال زندگی کا ہے، مستقبل میں جو کچھ ہے، وہ ہر قدم پر ایک نیا تجربہ ہوتا ہے، ہم کو خود اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا کسی درجۂ کمال تک علم نہیں، یہی وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کو ہمیں دریافت کرنا پڑتا ہے، ہم کیا کچھ حاصل کر سکتے ہیں، اور جو کچھ ہم حاصل کرتے ہیں، اس کی قیمت کیا ہوتی ہے، ان تمام باتوں کا علم ہمیں اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ ہم کوشش نہیں کرتے، یہ خیال رکھنا چاہئے، کہ خواہش اور کوشش ہماری فطرت کے عنصری اور ضروری حصے ہیں، ان کی تشفی صرف زندگی کے ختم ہونے سے ہوتی ہے

(باقی)

تذکرۂ طاہر

یعنے

سوانح خود نوشت

حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خان طاہر مرحوم

(۵)

جدید علم کلام کی سر سید مرحوم نے بنیاد ڈالی

بہر حال مجھ کو متعدد مرتبہ سر سید مرحوم سے جلوت و خلوت میں ملنے کا اور اُن کے حکیمانہ و فلسفیانہ اقوال اور مذہبی خیالات سے مستفید ہونے کا، اور ان کے تالیفات و مضامین پر غور و خوض کرنے کا موقع ملا، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یورپ کے علوم جدیدہ کے مقابل میں سر سید مرحوم نے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی، اور انگریزی خواں تعلیم یافتہ گروہ کو ہاویۂ کفر و ارتداد میں گرنے سے بچا لیا، اور دین الفطرۃ اسلام کے وقار قائم رکھنے کی جو سعی ان کے دست و قلم و زبان سے وقوع میں آئی، اسکی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کو ان کے مقاصد جلیلہ میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی دنیائے علم اور عالم اسلامی میں ہمیشہ ان کو ممتاز درجہ حاصل رہے گا، اور آیندہ نسلیں ہمیشہ انکے مساعی جمیلہ کی فخر کیساتھ شکر گذار رہیں گی،

سر سید مرحوم کی تالیفات و مذہبی خیالات پر رائے

مگر میں صاف دلی کیساتھ اپنے علم و فہم کے مطابق بلا اندیشہ لومۃ لائم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کی لاجواب تالیفات اور مضامین نافعہ سے مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی فوائد تو بے شمار حاصل ہوئے، مگر سچ یہ ہے کہ جیسی چاہئے تھی، اُن سے حقیقی مقاصد اسلام

کی تکمیل نہیں ہو سکی، اور نہ یہ اسوقت ممکن تھا، ؎

از حکمت و منطق نہ کشاید در عرفاں ——— ایں ہاہمہ آرایش افسانۂ عشق است

جو لوگ علوم مذہبی سے واقف ہیں، اور جن کے دل و دماغ میں غور و تحقیق اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا مادہ قدرت نے ودیعت کر رکھا ہے، وہ سر سید مرحوم کے حکیمانہ اقوال اور فلسفیانہ خیالات سے بلاشک و شبہہ عظیم فوائد اور بہترین نتائج اخذ کر سکتے ہیں، اور حق و صداقت کی صراط مستقیم سے بھٹک نہیں سکتے، مگر جو لوگ علوم مذہبی میں دستگاہ نہیں رکھتے، اور سطحی خیالات والے ہیں، اور جن کا زیادہ وقت صرف مغربی علوم جدیدہ اور فلسفۂ مغرب کے مطالعہ میں گذرا کرتا ہے، وہ سر سید مرحوم کے تالیفات و خیالات سے اتقدر تو ضرور فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، کہ نام کے مسلمان رہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوں مگر اسلام جیسے دین الفطرت اور مجموعۂ حق و صداقت سے کامل فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

سر سید مرحوم اور قدمائے متکلمین کے طرز استدلال و بحث کا فرق

اس لیے قدمائے متکلمین نے جب فلسفۂ یونانی کے مقابلہ کے لئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، اور اس کے ذریعہ سے مسائلِ فلسفہ کو مسائلِ مذہبی سے تطبیق دینے کی کوشش کی تو انھوں نے دین الفطرۃ اسلام کی برتری کو مدنظر رکھکر اسکے اصول و احکام کو مقدم رکھا اور ان کے ضمن و تحت واثر میں مسائلِ فلسفہ بیان کر کے ان کی تطبیق یا تردید یا مشکوک ٹھہرانے میں مساعی جمیلہ سے کام لیا، اس طرز بیان و استدلال و بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصول و احکامِ مذہبی کا تفوق و احترام دلوں میں قائم رہا، اور کوئی شخص راہِ راست اسلام سے گمراہ نہیں ہوا، برخلاف اس کے سر سید مرحوم نے مسائل فلسفہ کو مقدم رکھکر ان کے ضمن و تحت واثر میں اسلامی اصول و احکام بیان کر کے ان کی تطبیق و تردید وغیرہ میں سعی موفور کی، اس طرز بیان و استدلال و بحث کا نتیجہ یہ تو ضرور ہوا کہ جلد بھٹک جانے والی طبیعتیں اور موجودہ شاندار مغربی تمدن و سائنس کی ترقی سے مرعوب ہو جانے والے قلوب راہ راست اسلام کو چھوڑنے اور کفر و ارتداد کی غار میں گرنے سے رک گئے، مگر باایں ہمہ وہ اصول و احکام صادقۂ ایمانی کی لذت سے آشنا ہونے

سے کوسوں دور پڑے رہے، ے

کسے کز لذتِ طاعت بود محروم من ضامن ... کہ بگذارند در جنت ولے با داغ حرمانش

جہاں تک میں نے غور کیا سرسید مرحوم کی تالیفات و مضامین کا میں نے یہی اثر اپنے دل پر پایا مگر خدائے عزوجل کا بڑا فضل میرے حال پر یہ تھا، کہ حضرت والد محترم کے فیضِ صحبت و تربیت سے مطالعۂ کتاب و سنت کا ذوق میرے دل میں سرایت کر چکا تھا، گو وہ عارضی طور پر فلسفیانہ خیالات سے متاثر ہو کر کچھ دنوں کے لئے دب گیا تھا، مگر مٹا نہیں تھا،

دیوان سرنوشتم چوں نسخہ ہاے اصلی ... ہر چند بد نوشت است اما غلط ندارد

چنانچہ اس زمانہ میں بھی جسکو میں ایک قسم کے فسق و الحاد کے زمانہ کے نام سے تعبیر کیا کرتا ہون، حضرت والد مرحوم کی تالیفات اور ائمۂ ہدیٰ یعنی علامہ ابن تیمیہؒ امام غزالی، امام فخر الدین رازی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ کی تصنیفات اور علماء عصریہ میں حکیم الامۃ جمال الدین اسد آبادی مفتی محمد عبدہٗ علامہ جسر طرابلسی خیر الدین پاشا وزیر تونس کی تالیفات اور حضرت علامہ شبلیؒ کے فیض صحبت نے مجھ کو خضرِ راہ کا کام دیا، اور خدائے ارحم الراحمین نے مجھ کو ورطۂ ہلاکت و ضلالت سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائی، اور بہت جلد مغربی فلسفہ کی ملحدانہ دلفریبی تمدن جدید کی ملمع سازی، مورخین یورپ کے طرز خیال کی بے اعتدالی اور مورخانہ رنگ آمیزی اور اشاعتِ تہذیب کے پیرایہ میں مذاہب کی بیخ کنی اور قلیل التعداد اقوام کی حمایت کے پردہ میں توسیعِ حکومت کی ہوس رانی، امن و امان قائم رکھنے کے نام سے مغربی مدبرانہ چالاکی، اور مختلف اقوام میں تفرقہ اندازی کا راز مجھ پر کھل گیا،

خود را نہ پرستیدہ و عرفاں چہ شناسی ... کافر نہ شدی لذت ایماں چہ شناسی

الحمد للہ کہ اب میں تحقیقی طور پر نہ تقلیدی طور پر مغربی فلسفیانہ خیالات و مغربی طرز و روش سے کنارہ کش ہو کر دنیا میں صرف مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب کو مجموعۂ حق و صداقت اور ترقی یافتہ

مکمل تہذیب سمجھتا ہون، اور اس کے دین الفطرۃ ہونے پر دل سے یقین کرتا ہون اور اتباعِ کتاب و سنت ہی کو صراط مستقیم اور میزان قسط جانتا ہون، اور اسی پر قائم ہون، واللہ ولی التوفیق والیہ المرجع والمآب، ے

ز ترتیب نظامِ آفرینش چوں نہ آگہ، ... حوادث راز تاثیر نجوم آسماں بینی

زگر در غبتِ خاطر فرو شو دیدۂ فطرت ... اگر خواہی کہ حسن خار و گل یکساں بینی

بر آ از پردۂ صورت قدم در راہ معنی زن ... کہ در ہر منزلے سرّے ز اسرار نہاں بینی

خیالاتِ گذشتہ پر افسوس،

گذشتہ خیالات و حالات کی ندامت اب تک میں اپنے قلب میں محسوس کیا کرتا ہون، اور غایتِ عجز و الحاح کے ساتھ اپنے خالق فاطر السموٰت والارض وحدہٗ لاشریک لہ کے سامنے سربسجود اور دست بدعا ہون، کہ وہ مجھکو اور میری اولاد و احفاد کو کتاب و سنت کی صراطِ مستقیم پر قائم رکھے، اور استقامت بخشے اور میرے سیئات کو حسنات سے بدل دے، انّ الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکریٰ للذاکرین،

سرسید مرحوم کی کامیابی،

بہر تقدیر سرسید مرحوم کو جو صدقِ عقیدت اسلام کے ساتھ تھی، اور جس نیک نیتی کے ساتھ انھوں نے علمائے عصر کو حمایتِ اسلام کے اہم دینی فرض سے غافل پا کر اپنے علم و دانش و خیال کے مطابق اسلام کی تائید و حمایت اور قوم کی دنیاوی ترقی میں اپنی عمر عزیز صرف کی، یہ اسی کی برکت تھی کہ کالج کو ایک قلیل مدت میں وہ عظمت و مرکزیت حاصل ہوئی، جس کی امید عام مخالفت کو دیکھتے ہوئے بمشکل ہو سکتی تھی، مسلمانوں میں رفتہ رفتہ اشتراکِ عمل کی روح اور اپنے قومی تنزل کا احساس پیدا ہونے لگا، علمائے اسلام کو بھی علومِ مشرقیہ کی حفاظت و احیاء کا خیال پیدا ہوا، اور اسلام کی حمایت، اور مسلمانوں میں روشن ضمیری پھیلانے کی طرف ان کو خاص طور پر توجہ ہوئی، اور اس طرح پر ندوۃ العلماء کی بنیاد پڑی، دین الفطرت اسلام کا ایک بڑا رکن یعنی دنیاوی ترقی جس پر اسلام اور

ایک بڑا رکن یعنی دنیاوی ترقی جس پر اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و وقار کا مدار تھا، اور جس کو مدت د[راز]
سے علمائے ملت نے اپنے دائرہ سعی وعمل سے متروک و خارج سمجھ رکھا تھا، سرسید مرحوم نے اسکی ضرورت
کو قوم کے ذہن نشین کیا، غرض سرسید مرحوم نے اپنے مساعی جمیلہ کا نیک ثمرہ بہت کچھ اپنی زندگی ہی
میں پالیا، اور جو باغ انھوں نے قوم کے ہونہار بچوں کو جمع کرکے لگایا تھا، اس کو پھولتے پھلتے اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا،

نواب محسن الملک بہادر مرحوم کا خط راقم الحروف کے نام

سرسید مرحوم کی وفات کے بعد بست و ششم جنوری ۱۸۹۹ء میں نواب
محسن الدولہ محسن الملک مولوی مہدی علی خان بہادر مرحوم آنریری
سکریٹری محمڈن کالج نے مجھ کو خط میں لکھا کہ آپ کا نام نامی ٹرسٹیوں کی فہرست میں نہیں ہے، اگر آیندہ
کوئی جگہ خالی ہوئی، تو مجھے یقین ہے، کہ سید محمود صاحب اور دیگر ٹرسٹی آپسے غالباً خواہش کریں او[ر]
میں اسکی تحریک کرونگا، اور جب تک وقت آئے میں آپ کی خدمت میں مطبوعہ کاغذات کالج کے اور ضروری
اطلاعیں متعلق ترقی کالج کے عرض کرتا رہوں گا، مگر واقعہ یہ ہے، کہ بعض اتفاقی موانع کی بنا پر باوجود
غایت دلچسپی کے میں ٹرسٹی شپ قبول کرنے سے پہلو تہی کرتا رہا، یہانتک کہ کالج کا ایک نیا مذہبی دور
شروع ہوا، اور نواب وقار الملک بہادر مولوی مشتاق حسین صاحب مرحوم نے آنریری سکریٹری شپ کا
عہدہ قوم کی متفقہ آواز سے متاثر ہو کر قبول فرمایا، نواب صاحب مرحوم کی ذات اقدس روشن خیالی آزاد
طبعی مذہبی پابندی اور تقوی کے لحاظ سے بہت اعلی اور ارفع درجہ رکھتی تھی، ان کے آنریری سکریٹری کالج
ہونے سے بہت سی بدگمانیاں، اور شبہات جو سرسید مرحوم کی پارٹی اور کالج کی طرف سے علماء، قوم اور دیندار
لوگون کے دلوں میں تھیں، دور ہوگئیں، نواب صاحب بہادر مرحوم کے مبارک عہد میں مجکو کالج کے
ٹرسٹی ہونے کی عزت حاصل ہوئی، چونکہ اب وہ پہلی سی مجبوریاں بھی باقی نہیں رہی تھیں، اسلئے بزرگان
قوم کی بخشی ہوئی عزت اور خصوصاً نواب صاحب بہادر مرحوم کی تعمیل ارشاد سے روگردانی کرنا ایک

قسم کا کفران نعمت تھا، اور میرے بس کی بات نہ تھی، میں نے دلی شکر گذاری اور احسان مندی کیساتھ
اس عزت کو قبول کیا، بعد ازاں دوازدہم مارچ ۱۹۰۵ء میں مجھ کو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر ہونیکی
عزت بخشی گئی،

۱۹۰۲ء میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کا مشہور اجلاس لکھنؤ میں زیر صدارت مسٹر بیگ منعقد ہوا تو
اس میں نواب صاحب اور تمام روسا و اراکین نے نواب محسن الملک کی تحریک سے خاکسار کو صدارت استقبالیہ کمیٹی کی عزت
بخشی، اسی اجلاس میں میں نے اپنی دو متوفی لڑکیوں کی یادگار میں تین ہزار روپیہ کے صرف سے دو پختہ بورڈنگ
ہاؤس تعمیر کرائے، جب اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک کا آغاز ہوا، اور ہز ہائنس سر آغا خان بالقابہ
کا ڈپوٹیشن لکھنؤ میں آیا، تو ہز ہائنس غریب خانہ پر تشریف لائے، اور یونیورسٹی کمیٹی میں میں نے پندرہ ہزار
روپیہ یکمشت پیش کیا،

رکنیت ندوۃ العلماء

ترک وطن کرکے لکھنؤ چلے آنے کے بعد حضرت علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء کی
مجلس انتظامیہ میں میرے رکن بنائے جانے کی تحریک کی، اور مجلس انتظامیہ نے مجکو منتخب کرکے
رکن ہونے کی عزت بخشی چنانچہ چند سال تک میں نے دلی جوش و توجہ کے ساتھ ندوہ کے مذہبی اور
تعلیمی خدمات میں حصہ لیتا رہا،

ندوہ کے نظام عمل میں نقائص کا ظہور

کچھ مدت گذرنے کے بعد عملی تجربہ نے مجھ پر یہ امر واضح اور منکشف کر دیا، کہ ندوہ کے
نظام کار (کانسٹی ٹیوشن) میں چند ایسے نقائص عظیمہ پیدا ہوگئے ہیں، جو اس کے
مقاصد مہمہ کی بنیاد ہی کو متزلزل کئے دیتے ہیں، یہ صورت حال محسوس کرکے میں نے بعض مشاہیر ارکان
و اعضائے مجلس ندوہ سے اس معاملہ میں بالمشافہ اور بذریعہ خط و کتابت مشورہ کیا، اور اپنے محترم دوست جناب
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم سابق سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ و رکن انتظامی ندوۃ العلماء کے قلم سے
خطوط لکھوا کر بیرونی ارکان کو اصل حالات سے مطلع کیا،

انجمن اصلاحِ ندوہ کی تاسیس و آغازِ دعوت!

جب تقریباً دو تہائی ارکانِ انتظامیہ ضرورتِ اصلاح پر متفق ہوگئے، تو بعض اجزاءِ صالحہ کے ذریعہ سے انجمن اصلاحِ ندوہ کی بنیاد ڈالی، انجمن کے اولین اجلاس نے فیصلہ کر دیا، کہ اس انجمن کے صدر جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب مرحوم وکیل لکھنؤ و سابق وزیر بھوپال[1] ہوں، اور راقم الحروف سکریٹری ہو،

جب عام طور پر لوگوں کو ندوہ کے نظامِ کار کے نقائص کا علم ہوا، تو ہندوستان کے مختلف صوبوں، شہروں بلکہ قصبات و دیہات تک میں تقریباً پچاس جلسے مسلسل مطالبۂ اصلاح کی تائید میں منعقد ہوئے انجمن اصلاحِ ندوہ نے اپنے کاموں کا جو پروگرام طے کیا تھا، اس میں یہ تجویز بھی تھی، کہ معاملاتِ ندوہ کے متعلق ایک عام کانفرنس منعقد کیجائے، اور تمام ملک سے نائبینِ ملت کا مجمع فراہم کرکے ان کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا جائے، چونکہ دہلی کو قدیم سے علومِ اسلامیہ کا مرکز اور دار السلطنت ہند ہونے کا شرف رہا ہے اسلئے قدرتی طور پر ادھر توجہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بزرگانِ کرام دہلی کے دلوں کو اس مقصدِ عظیم کی طرف متوجہ فرمادیا، عالیجناب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی مرحوم نے جمعیتِ بزرگانِ دہلی، اوائل اپریل ۱۹۱۴ء میں ایک جلسۂ عام کرکے اس مشکل کو خود بخود حل فرمادیا، چنانچہ دہم مئی ۱۹۱۴ء کو ایک عظیم الشان کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی، اور آل انڈیا مسلم لیگ، علیگڈہ کانفرنس، مسلم یونیورسٹی کمیٹی، حمایتِ اسلام اور خود ندوۃ العلماء کے اجلاس جن ملکی جماعتوں سے مرکب ہوا کرتے ہیں، اُن سے زیادہ جامع اور اوسع اجتماع کے ساتھ اس کانفرنس میں بزرگانِ قوم و ملت نے شرکت فرمائی، اور نو اصحاب کی ایک کمیٹی کو منتخب کیا، کمیٹی نے ندوہ کے تنزل کے اسباب و علل دریافت کرکے ایک دستور العمل مرتب کیا، اور تمام وہ طریق عمل بھی قرار دیئے، جن پر کاربند ہوکر ندوہ ندوہ بن سکتا ہے، مگر افسوس اس وقت بدقسمتی سے کچھ ایسے اسباب غلط فہمی اور سوءِ ظن کے

[1] جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب مرحوم نے بست و سوم ستمبر ۱۹۲۱ء مطابق بست محرم شب جمعہ ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی، اللھم اغفرہ وارحمہ!

جمع ہوگئے، کہ بزرگانِ ندوہ نے کمیٹی کی برادرانہ گذارشوں پر مطلق توجہ نہ فرمائی، اور پورا ایک سال کا زمانہ اسی جد و جہد میں بسر ہوگیا، ہمارے ہر سوال کے جواب میں اغماض اور ہمارے ہر عجز کے سامنے بے نیازی تھی، با ایں ہمہ کمیٹی کا رویہ برابر آشتی اور صلح پر مبنی رہا، دہم مئی کے اجلاس کے بعد سے علانیہ مخالفت اور انعقادِ مجالس عام کی کوششیں بند کر دی گئیں، یہانتک کہ رسالہ الہلال میں جو مسئلۂ اصلاح کے خاص محرکین میں تھا کمیٹی کے قیام کے بعد کوئی مضمون اس میں شائع نہیں ہوا، پھر بھی اربابِ کار نے نظر توجہ سے دریغ فرمایا:۔ ع

ادھر سے عجز اودھر سے رکھائیاں ہی رہیں!

ندوہ کے جانب سے جلسۂ عام کا اعلان

اسی اثناء میں ارکانِ ندوہ نے جلسۂ عام کے انعقاد کا اعلان کیا، خواہ اس اعلان کا مقصد کچھ ہی رہا ہو، مگر ہم اس ارادہ کے منت گذار رہیں کہ آخر کار یہی اعلان ہمارے مقصد یک سالہ کے ظہور کا وسیلہ بنا، اس اعلان نے ارکانِ انجمن اصلاح کو یکایک اس نئے سوال کی طرف متوجہ کر دیا، کہ اس موقع پر ان کو کونسا طریقۂ عمل اختیار کرنا چاہئے، اس پر غور و مشورہ کے بعد حضرت محترم جناب مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کلکتہ سے لکھنؤ تشریف لائے، تاکہ اس مسئلہ کا آخری و قطعی فیصلہ کیا جائے، بالآخر یہ رائے قرار پائی، کہ جس طرح ان کی بے نیازی کی انتہا نہیں، اس طرح ہمارے عجز و سوال کی بھی کوئی حد نہیں ہونی چاہئے، اور اگر اس میں بھی ناکامی ہو، تو پھر مجبوراً جلسۂ عام میں شریک ہوکر پبلک طور پر مطالبۂ اصلاح کو پیش کیا جائے، اور اجتماعی قوت کے ذریعہ سے موانعِ قبولیتِ اصلاح کو ایک آخری اور قطعی شکست دیجائے، چنانچہ ایک مراسلہ جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی خدمت میں بھیجا گیا، اور ان کو توجہ دلائی گئی، کہ اگر جلسۂ سالانہ سے پہلے امور مختلفہ کے متعلق ہم متحد ہوسکیں، اور جلسۂ عام میں اختلافات کے اختتام اور حصول مقصد اصلاح کا اعلان کرسکیں تو ندوۃ کے لئے یہ ایک مژدۂ حیات ہوگا ورنہ جلسہ کے اندر شدید معرکۂ اختلاف گرم ہونا، ندوہ کی بقیہ زندگی کا خاتمہ ہوگا، اور ہمارے مشترکہ مقصد دینی کا خاتمہ

انجمن اصلاحِ ندوہ کی کامیابی

خدا کا شکر ہے کہ ہماری یہ استدعا، پایۂ اجابت کو پہنچی، ہماری صدائیں بے اثر نہ رہیں، ہمارا عجز و نیاز رائگاں نہیں گیا، ہمارا سوال محروم جواب نہ رہا، ہماری نیتوں کی صداقت و عدم قصد کا جو نتیجۂ کار اور عاقبتِ امر کے ہاتھ میں تھا، بالآخر مشتبہ نہیں رہا، تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لایریدون فی الارض علواً ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین، اور انجمن اصلاح اور ندوۃ العلماء کے ارکان کے مابین کی ایک ایسی مشترک صحبت تمام متنازع فیہ مسائل پر غور کرنے، اور کسی ایک متفقہ نقطہ تک پہنچنے کیلئے قرار پائی، جس میں نصف تعداد ارکان ندوہ کی، اور نصف تعداد ارکان انجمن اصلاح ندوہ کی موجود تھی، اس میں حب ذیل ارکان انجمن اصلاح کے جانب سے شریک ہوئی، مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب دہلوی مرحوم مولینا مولوی ابو الکلام صاحب آزاد، بابو نظام الدین صاحب امرتسری، ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب، راقم الحروف سکریٹری انجمن، کچھ شک نہیں کہ اگر نیتیں صاف اور قلوب حق پرست ہوں، تو جن مناقشوں میں عمریں صرف ہوجایا کرتی ہیں، وہ ایک لمحۂ تفکر میں رفع ہو سکتے ہیں، یہ صحبت مغرب کے بعد سے گیارہ بجے شب تک رہی، مبادلۂ خیالات و مباحث کے بعد تقریباً تمام مسائل اصلاح حل ہوگئے اور اصلاحِ ندوہ کے متعلق جس قدر اہم مطالبات تھے، اُن سب کو بزرگانِ ندوہ نے منظور فرمالیا، سه

بعد از ہزار سعی ثواب و مجاہدت ۔۔۔ زنار زاہد و بتِ ترسا بہم رسید،

والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ،

اس موقع پر میں خصوصیت کے ساتھ ان احباب ذوی الاحترام کا شکرانہ ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جن کی مساعی جمیلہ سے انجمن اصلاح کے مقاصد کی تکمیل اور جن کی مدد و توجہ سے راقم الحروف کو کامیابی نصیب ہوئی، سچ یہ ہے کہ اگر جناب مولانا مولوی مسعود علی صاحب ندوی اور جناب حکیم عبد الولی صاحب مرحوم لکھنوی کی عملی سعی و ہمدردی، اور جناب مولینا مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کی معنوی اعانت، جناب مولینا ابو الکلام صاحب آزاد کی مخلصانہ اور حق پرستانہ کوشش، اور جناب مسیح الملک

حکیم اجمل خانصاحب دہلوی کی غایت دلسوزی کے ساتھ چارہ سازی، اور جناب رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب کی دلی جوش کے ساتھ مدبرانہ ایثار نفسی اور بیش بہا امداد شریکِ کار نہ ہوتی، تو کامیابی دشوار بلکہ قریباً محال تھی، اسی طرح اگر جناب مولینا مولوی حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم ناظم سابق ندوۃ العلماء، عہدۂ نظامت کو قبول فرماکر رفعِ نزاع میں کوشش نہ فرماتے، تو تمام سعی و جہد رائگاں جاتی، اب میں اس تذکرہ کو اس مصلح حکیم اور مرشد خبیر کے ذکر و دعا پر ختم کرتا ہوں، جسکو ندوہ کے ساتھ روح و جسد کا سا تعلق رہا ہے، جس نے اپنی زندگی کی بہترین فرصتوں اور قوتوں کو ندوہ کی راہ میں وقف کر رکھا تھا، جسکی فکرِ حکیم اور رائے مستقیم نے قیام دار العلوم اور اصلاحِ نصاب کو اصلاح دینی کا اصل و اساس سمجھ کر سب سے پہلے اس عملِ جلیل کی بنیاد ڈالی، اور احیائے امت مرحومہ کی جس حقیقتِ کبریٰ کو باوجود محسوس کرنے کے حکیم الامۃ جمال الدین اسد آبادی مرحوم اور مفتی محمد عبدہ مرحوم عمل میں نہ لاسکے، اسکو حضرت علامہ شبلی مرحوم نے عملاً نمایاں کرکے دکھا دیا،

مگر افسوس ہے کہ باایں ہمہ بدبختانہ طور پر ندوۃ العلماء اس کے فیض بخشی حیات سے محروم رہا، اور اس قتیلِ ندوہ اور فدائے اصلاح دینی کے خدماتِ عظیمہ سے مستفید نہ ہوسکا،

اولاد، زوجۂ اولی کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، اور ان تینوں نے میرے سامنے وفات پائی، زوجۂ ثانیہ سے آٹھ لڑکیاں اور تین فرزند پیدا ہوئے، سب سے بڑا ابو الفضل عزیزی سید امیر حسن خان سلمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۱۰ھ میں ولادت ہوئی، دوسرا عزیزی ابو الفتح سید شمس الحسن خان سلمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے، اور بی اے ال ال بی تک تعلیم پائی، شعر و سخن کا سلیقہ رکھتے ہیں، اور تیسرا عزیزی ابو الفیض سید انور حسن سلمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۲۶ھ میں پیدا ہوا،

تصانیف، راقم الحروف کے حب ذیل تالیفات ہیں، حظیرۃ التقدیس، موارد المصادر للصادر والوارد، فطرت الاسلام، المدینۃ فی الاسلام، شریعت الاسلام

سیرۃ الاسلام، رسالۂ دیندار و دنیا دار، اسلام اور اوس کے طریقۂ عبادت، تعلیم و تربیت، تذکرۂ بزم سخن، خرمن گل، نالۂ دل، اغراض و مقاصد کانفرنس، خطبۂ صدارت متعلق تعلیم نسوان، انتظام خانہ داری، خطبۂ تعلیم مسائل الاسلام قلمی، گلگشت گلستاں باب اول قلمی، مضامین و تراجم قلمی، خطبۃ البیان متعلق اسلامیہ کلب بمبئی، خطبۃ البیان نمبر ۲ متعلق ندوۃ العلماء، مآثر صدیقی ۴ جلد غیر مطبوعہ فارسی اور اردو کلام، بعض مضامین جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔

(باقی)

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق و زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولینا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گرانمایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کا نپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیاے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت سے

سیرۃ النعمان

امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، فقہ حنفی کی تاریخ اور اسکی تدوین کے حالات، فقہ حنفی کی خصوصیات، علم حدیث، علم فقہ کی تاریخ اور اسلامی قانون پر تبصرہ، حجم ۱۴۲ صفحے، قیمت:- عہر

"منیجر"

حیدرآباد دکن کے
اردو اخبارات اور رسائل

از جناب سید تمکین صاحب کاظمی منشی فاضل، ایف آر اے ایس، ایم آر اے ایس

(۳)

سنہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ عثمانیہ کی طرف سے اساتذہ کی امداد سے سینیر طلباے جامعہ نے مجلہ عثمانیہ سہ ماہی جاری کیا، جو آدھا اردو آدھا انگریزی تھا، یہ رسالہ ابتک نہایت عمدگی سے جاری ہے،

سنہ ۱۹۲۶ء میں کتب خانہ مسجد چوک کے منتظمین نے رسالہ تجلی سہ ماہی جاری کیا، اور اسکی ادارت محمد سردار علی صاحب کے تفویض کی گئی، باوجود مولوی غلام محمد صاحب کی مالی اعانت کے مرتب کی ناتجربہ کاری اور عدم قابلیت کی وجہ سے رسالہ بند ہوگیا، یہ رسالہ بھی نہایت مفید اور جب تک بعض خاص خاص لوگوں کے مشورے سے نکلتا رہا، بڑی اچھی طرح نکلا،

سنہ ۱۹۲۶ء ہی میں مسٹر پی انبا داس راؤ وکیل نے آئین دکن جاری کیا، یہ قانونی ماہوار رسالہ سنہ ۱۳۰۲ف سے مولوی فدا حسین کی ادارت میں جاری تھا، مولوی صاحب کے انتقال کے بعد سے بند ہوگیا تھا، جسے انبا داس صاحب نے لے کر پھر جاری کیا،

سنہ ۱۹۲۷ء سے نرسنگہ راؤ دبیر نے ایک ہفتہ وار اخبار رعیت جاری کیا، جو سنہ ۱۹۲۹ء تک باضابطہ نکلتا رہا، مگر سنہ ۲۹ء میں بعض خاص وجوہ سے حکماً بند کر دیا گیا، مگر پھر سنہ ۱۹۳۴ء میں دوبارہ اس کا اجرا ہوا، جو ابتک جاری ہے،

سنہ ۱۹۲۷ء ہی میں مولوی سید وقار احمد ایم اے اور مولوی حبیب اللہ رشدی ایم اے نے نظام گزٹ ہفتہ وار جاری کیا، یہ فرزندان جامعہ عثمانیہ کا پہلا اخبار ہے، جو ابتک جاری ہے،

اور عمدگی سے نکل رہا ہے،

۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے ایک روزنامہ دکن گزٹ کے نام سے جاری کیا جو دو ایک ماہ تک نکلتا رہا،

۱۹۲۸ء میں منیر الدین صاحب نے ایک ہفتہ وار اخبار الحمایت کے نام سے جاری کیا جو بہت جلد بند ہو گیا،

۱۹۲۹ء میں اخبار مشیر دکن کے ایک مترجم نے ایک دو ورقہ اخبار روزنامہ سرسری کے نام سے دو روز کے لئے جاری کیا،

۱۹۲۹ء ہی میں حکیم جگناتھ پرشاد صاحب نے دکن پنچ کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا،

۱۹۲۹ء ہی میں محمد صالح نے ورزش جسمانی کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا،

۱۹۲۹ء ہی میں مولوی حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے ایک سہ ماہی رسالہ تاریخ کے نام سے جاری کیا، جو اپنی نوعیت کا بہترین رسالہ تھا، مگر دو تین سال کے بعد افسوس ہے کہ بند کر دیا گیا،

۱۹۲۹ء ہی میں مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی نے مجلہ مکتبہ کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جس کے مدیر عبد القادر صاحب سروری تھے، افسوس ہے کہ دو تین سال کے بعد یہ رسالہ بھی بند ہو گیا،

۱۹۲۹ء ہی میں انجمن ترقی اردو نے ایک رسالہ سائنس جاری کیا، جو اب تک نکل رہا ہے،

۱۹۲۹ء ہی میں حیدرآباد ٹیچر کے نام سے ایک رسالہ جاری ہوا جو بہت جلد بند ہو گیا،

۱۹۲۹ء ہی میں نور اللہ نوری نے مشاعرہ کے نام سے ایک ماہوار رسالہ صرف دو اشاعتوں کی حد تک نکالا،

۱۹۲۹ء ہی میں رسالہ ارشاد ایک ماہوار مذہبی رسالہ مولوی یوسف الدین صاحب نے جاری کیا، جو اب تک نکلتا ہے،

۱۹۲۹ء ہی میں انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد سے مولوی عبد الحق بی اے کی سرپرستی میں رسالہ نورس جاری ہوا،

۱۹۲۹ء ہی میں مولوی احمد عارف نے روزنامہ صبح دکن جاری کیا،

۱۹۲۹ء ہی میں ایک ماہوار رسالہ کشافہ (بوائز اسکاوٹ) جاری ہوا،

۱۹۲۹ء میں بیگم ابوبکر خان صاحب خویشگی نے ہمجولی ماہوار جاری کیا جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا،

۱۹۲۹ء ہی میں صادقہ قریشی صاحبہ نے سفینۂ نسواں ماہوار جاری کیا، جو اب اختر قریشی صاحب کی ادارت میں کامیابی سے نکل رہا ہے،

۱۹۲۹ء میں مولوی عبد الرحمن صاحب نے روزنامہ "منشور" جاری کیا، جو اب تک موجود ہے،

۱۹۲۹ء ہی میں امام بیگ صاحب رونق نے ایک نیم مذہبی رسالہ خلیق جاری کیا، جو اب تک نکلتا ہے،

۱۹۳۰ء سے متقر ضلع ناندیڑ سے حکیم غفران احمد صاحب نے الاعظم ہفتہ وار جاری کیا، جو ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد منتقل ہو گیا، مگر بعض وجوہ سے ۱۹۴۵ء میں کلیۃً بند کر دیا گیا،

۱۹۳۰ء میں ایک انجمن اشاعت القرآن قائم ہوئی، اور ایک ماہوار رسالہ ترجمان القرآن کے نام سے نکالا گیا، جو مولوی ابو الاعلیٰ مودودی کی ادارت میں اب تک نہایت عمدگی سے نکل رہا ہے،

۱۹۳۲ء میں عبد الرزاق صاحب بسمل نے ایک ماہوار رسالہ کاشتکار جاری کیا، جس کا آدھا حصہ اردو اور آدھا تلنگی اور مرہٹی ہوتا تھا، یہ زرعی رسالہ تھا،

۱۹۳۲ء ہی میں اکبر وفا قانی بی اے نے حسن کار کے نام سے ایک پندرہ روزہ اخبار جاری کیا، جو نہایت کامیابی کیساتھ ۱۹۳۶ء تک جاری رہکر بند ہو گیا،

۱۹۳۳ء میں عبد الرزاق صاحب بسمل نے شہاب نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا، جو

اب تک جاری ہے،

سنہ ۱۹۳۲ء ہی میں طلباء سٹی انٹرمیڈیٹ کالج حیدر آباد نے ایک رسالہ الموسی جاری کیا،

سنہ ۱۹۳۵ء میں انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل کے طلبہ نے ورنگل کالج میگزین کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا،

سنہ ۱۹۳۶ء میں روزنامۂ پیام قاضی عبد الغفار صاحب نے جاری کیا،

سنہ ۱۹۳۶ء میں داستان گو کے نام سے ایک ماہوار سلسلہ افسانوں کا علی احمد بی اے نے شروع کیا، چونکہ اسکی باضابطہ اجازت نہیں لی گئی تھی، اسلئے یہ پرچہ بند کرادیا گیا،

سنہ ۱۹۳۶ء ہی میں مئی سے نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل کے فرزند ارجمند مونس احمد صاحب نے ایک ماہوار رسالہ آئینۂ ادب کے نام سے جاری کیا، جو ابھی تک جاری ہے،

اس طرح حیدر آباد دکن سے سنہ ۱۸۵۰ء سے سنہ ۱۹۳۶ء تک (۴۶) اخبار اور (۹۵) رسائل جاری ہوئے جنمیں سے ذیل کے اخبار اور رسالے اب تک موجود ہیں،

روزنامۂ رہبر دکن، روزنامۂ صبح دکن، روزنامۂ صحیفہ، روزنامۂ مشیر دکن، روزنامۂ منشور، روزنامۂ پیام، اخبار رعیت ہفتہ وار، اخبار نظام گزٹ ہفتہ وار، اتالیق ماہوار، ارشاد ماہوار، واعظ ماہوار، غنچۂ نسوان ماہوار، خلیق ماہوار، شہاب ماہوار، آئینۂ ادب ماہوار،

حیدر آباد سے بعض گمنام اشخاص نے بعض عجیب وغریب رسائل اور اخبارات بھی جاری کئے جو دو دو تین تین اشاعتوں سے آگے نہ بڑھ سکے، چونکہ ان میں سے بعض کے سنین اجرا نہ مل سکے اسلئے ان کے نام بھی چھوڑ دیئے گئے ہیں، اور بعض ایسے اخبارات جو محض ذاتی منفعت اور اڈیٹری کے "نام" کی خاطر ایک آدھ پرچہ نکال کر بند کر دیئے گئے، ہمارے پاس بھی موجود ہیں مگر ہم نے عمداً ان کو نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً القمر، ندیم وغیرہ،

اردو کے اخبارات اور رسائل کے علاوہ انگریزی، تلنگی، مرہٹی بھی حیدر آباد سے نکلتے رہے، اور اب بھی دو ایک حیدر آباد فارمر (انگریزی) نظام ویکلے (تلنگی) جاری ہیں، مگر یہ ہمارے موضوع سے علحدہ تھے، اسلئے ہم نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے،

ان اخبارات اور رسائل کے علاوہ بعض سالنامے بھی مستقل نکلا کرتے ہیں، مثلاً رہبر دکن، اور صبح دکن، منشور اور نظام گزٹ کے سالگرہ نمبر، رہبر دکن کا سالنامہ مجلۂ تحقیقات علمیہ عثمانیہ یونیورسٹی کا سالنامہ، سٹی کالج کا سالنامہ وغیرہ،

حیدر آباد کے صحافتی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کے لئے (۱۴۱) اخبارات اور رسائل کی تعداد کچھ زیادہ خوش آیند نہیں ہے، مگر اس سے زیادہ تکلیف دہ یہ اعداد ہیں کہ آج کل حیدر آباد سے صرف (۶) روزنامے (۲) ہفتہ وار اخبار، اور (۷) ماہوار رسائل جاری ہیں، اس تعداد میں بعض سرکاری جرائد، مثلاً جریدۂ اعلامیہ، پولیس گزٹ وغیرہ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ پرچے صحافتی شان کے نہیں، بلکہ اشتہارات، اعداد اور احکامات کی حد تک محدود ہیں، حیدر آباد جیسے مدینۃ العلم کے لئے (۷) ماہوار اور سہ ماہی رسائل کی تعداد کچھ بھی نہیں، ان میں سے دو تین کالج کے آرگن ہیں، دو ایک مذہبی ہیں، اور ایک آدھ تعلیمی رسالہ ہے، صرف دو رسائل شہاب اور آئینۂ ادب علمی ادبی رسائل کہلائے جاسکتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ اس معیار پر یہ دونوں بھی پورے نہیں اترتے، پابندی اشاعت کے علاوہ اور کوئی خوبی ان میں نہیں، مضامین، ترتیب، تنقیدات، شذرات، کوئی چیز بھی ان میں نظر نہیں آتی، اول الذکر رسالہ میں نثری حصہ زیادہ رہتا ہے، مگر بیکار، اور آخر الذکر رسالہ تقریباً گلدستہ بن رہا ہے، کاش ان دونوں رسائل کے مدیران رسائل کو حقیقی معنی میں علمی ادبی بناتے،

حیدر آباد کے مشہور ادیب اور پرانے انشاء پرداز مولانا سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر

دیوانی و مال حیدرآباد کی علمی و ادبی خدمت میں سرگرم رہنے کے علاوہ اپنی جیب سے ماہوار خاصی رقم اس سلسلہ میں صرف کرتے ہیں، کاش مولینا موصوف ایک ایسے علمی ادبی معیاری رسالہ کے اجرا کی طرف توجہ فرمائیں، جو حیدرآباد کے شایانِ شان ہو، اور معیاری کہلا سکے[1]،

---

[1] اس مضمون کی ترتیب میں تاریخ بستان آصفیہ مؤلفہ مانک راؤجی، اور دکن میں اردو مؤلفہ مولوی نصیر الدین اور عہد عثمانی میں اردو کی ترقی مؤلفہ ڈاکٹر زور سے بھی مدد لی گئی ہے، مگر افسوس ہے کہ آخر الذکر دونوں کتابوں میں سین کی غلطیاں ہیں، انہیں میں نے حتی الامکان درست کیا ہے، مگر پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میرے لکھے ہوئے سنین صحیح ہیں، کیونکہ اکثر اخبارات اور رسائل مجھے میسر نہیں ہوئے، صرف بعض کتابوں، ڈرسالوں وغیرہ سے نام اور سنہ اجرا وغیرہ لیا گیا ہے، اس طرح یہ (۱۴۱) اخبارات اور رسائل کی فہرست پیش کی جا رہی ہے چونکہ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے صرف (۶۸) اخبارات اور رسائل کا ذکر کیا ہے، اور ڈاکٹر زور نے بھی فقط (۷۸) اخبار اور رسائل گنائے ہیں، اسلئے یہ فہرست ان دونوں فہرستوں سے بہت زیادہ ہے،

شعر الہند حصہ اول

جسمیں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۴۴۵ صفحے، قیمت ہے،

شعر الہند حصہ دوم

جسمیں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت ہے، مکمل سٹ سے

"منیجر"

استاد احمد معمار کے خاندان کی ایک اور یادگار

زیب النسا بیگم کے دربار کی ایک اور تصنیف

شاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بیٹی شہزادی زیب النسا بیگم کے علمی دربار کی جو یادگاریں اب تک معلوم تھیں ان میں ایک اور تصنیف کا اضافہ ہوا ہے، یہ استاذ احمد معمار کے پوتے، اور ہیئت کی مشہور درسی تصنیف تصریح شرح تشریح الافلاک کے مصنف ملا امام الدین ریاضی بن ملا لطف اللہ مہندس لاہوری کا معانی و بیان میں ایک رسالہ ہے جس کا نام بیانیہ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ نواب سید علی حسن خان مرحوم (بھوپال ہوس لکھنو) کے کتبخانہ میں نظر سے گذرا،

رسالہ کی زبان فارسی ہے، اور اس میں اکثر عربی اور بعض فارسی اشعار سے مثالیں دیگئی ہیں، مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اس نے اپنی طالب علمی میں یہ رسالہ لکھا تھا، اور یونہی پڑا تھا جب اس کی خبر شہزادی کو معلوم ہوئی، تو اس نے اس کو دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا؛ اس حکم کی تعمیل میں ۱۱۰۸ھ میں یہ رسالہ صاف کیا گیا دیباچہ کی عبارت یہ ہے،

"حمد منزہے را سزد کہ ذات و صفاتش از ئونت تشبیہ و تمثیل بے نیاز است، ....

اما بعد چنین گوید افقر عباد اللہ الغنی امام الدین الریاضی بن لطف اللہ المہندس اللاہوری ثم الدہلوی کہ در خلال ازمنہ تحصیل و آونہ اکمال و تکمیل قواعد چند کہ اساس علم بیان رفیع البنیان است تحریر نمود و لیکن بسبب اشتغال بعض امور ماموره نقل آن از مسوده بمبیضہ بمقتضاے وقت نمی نمود

ثانی الحال، چون سنہ الف ومائۃ سبع ہجری مطابق سنہ سی و جلوس امیر کبیر بسیار بخش، کم پذیر، اورنگ زیب بہادر عالمگیر، این معنی بعرض جناب عالمیان مآب بادشاہزادۂ ذو القدر الرفیع فیض جہانیان ملکۂ دوراں حافظ قرآن قرۃ العین خلیفۃ الرحمن نواب قدسیہ القاب زیب النساء بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ وابقی اظلال رافتہا علی العالمین خصوصًا، سید، حکم جہان مطاع عالم مطیع شرف صدور عز ورود بخشید کہ آن را مرتب ومہذب سازد تا بشرف مطالعہ لامعۂ طبع مشرق باشراقات انوار الٰہی منور نمود، فان وقع فی حیز القبول فہو منتہی المقصود واقصی المامول، لہذا سمعًا وطاعۃ بانیان ایں امر وامتثال این حکم پرداختہ مہذب ومدون ساختہ بہ بیانیہ موسوم نمود

اس نسخہ کی کتابت ۱۲۴۵ھ میں ہوئی ہے،

مصنف کے الفاظ "بسبب اشتغال بعض امور ماموره" سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس کو کوئی بادشاہی عہدہ بھی ملا ہوا تھا،

"س"

مقالاتِ شبلی حصہ چہارم

مولٰینا شبلی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ضخامت:- ۱۹۰ صفحے، قیمت:- عہ،

مقالاتِ شبلی حصہ پنجم

یہ مولٰینا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانح عمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہیں، ضخامت ۱۴۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

نائجیریا کے مسلمان

شمالی نائجیریا میں مسلمانوں رئیسوں کی حکومت ہے، لیکن زیر سایہ حکومت برطانیہ "مشہور مشنری رسالہ مسلم ورلڈ (اپریل ۳۶ء) کے ایک مقالہ نگار نے اس قانون پر غصہ کا اظہار کیا ہے، جسکی رو سے نائجیریا کے شمالی عربوں میں بھی تبلیغ ممنوع قرار دی گئی ہے، نیز اس نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا سبب بھی اسی قانون کو قرار دیا ہے، تاہم اس مضمون میں جو معلومات مسلمانوں کے متعلق فراہم کی گئی ہیں، وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:-

نائجیریا مغربی افریقہ کا ایک وسیع صوبہ ہے، جس کا رقبہ برطانیہ عظمیٰ کے رقبہ کا چوگنا ہے، معدنیات میں ٹن اور لوہا زمانہ قدیم سے آمدنی کے بڑے ذرائع ہیں، افریقہ کے اکثر حصوں کی طرح نائجیریا میں آمدنی کے قدرتی وسائل بہت زیادہ ہیں، لیکن ابھی تک اُن سے بہت کم فائدہ حاصل کیا گیا ہے، وہان کے باشندوں کی تمدنی حالت نہایت پست ہے، مگر اہل یورپ نے مہنگران قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے، وہاں غلامی کا انسداد قانونی طور پر ۱۹۱۶ء میں ہوا، کانوں کی وجہ سے جنوبی صوبوں میں ریوے لائنیں زیادہ ہیں، تجارت کی جو چیزیں باہر بھیجی جاتی ہیں، ان میں سے خاص خاص یہ ہیں:- تاڑ کا گودا، تاڑ کا تیل، سپاری، روئی کی بنیان، نوہ، کھال اور چمڑے، مونگنی کے لٹھے، اور ٹن، نائجیریا کی آبادی ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق (۱۹۱۳۰۸۵۹) ہے، اس میں سے (۱۱۴۳۴۶۹۹) باشندے شمالی صوبوں میں رہتے ہیں، تقریبًا پوری آبادی نائجیریا کے ملکی باشندوں کی ہے، غیر ملکی باشندے جو وہاں آباد ہو گئے ہیں، صرف (۲۶۳۱) ہیں، اور ایسے

غیر ملکیوں کی تعداد جنھوں نے بود و باش اختیار نہیں کی ہے (۱۱۶۸) ہے، شمالی نائجیریا میں سب سے زیادہ آبادی
کانو، سوکوٹو، باوگی، اور بورنو کے صوبوں میں ہے، اور انہی صوبوں میں مسیحی تبلیغ مسدود ہے،

شمالی نائجیریا میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں، بقیہ بت پرست ہیں، عیسائی بہت کم ہیں، یعنی پوری آبادی
میں ایک فی صدی کا پانچواں حصہ، اگرچہ بہت سے مسلمانوں میں مذہب کی صحیح روح پائی جاتی ہے، تاہم عوام
کے اندر یہ روح موجود نہیں، جس طرح بت پرست پتھر اور درخت وغیرہ کو پوجتے ہیں، اسی طرح ان مسلمانوں
نے قرآن کو بھی ایک بت بنا لیا ہے، چنانچہ ان کا عقیدہ ہے، کہ اگر کوئی شخص قرآن پر جھوٹی قسم کھائے گا تو
ضرور مر جائے گا، نیز جس روشنائی سے قرآن کی آیتیں لکھی جائیں اسے اگر کوئی پی لے، تو ہر بیماری سے شفا
پائے گا، عورتیں بے نقاب نکلتی ہیں، اور نماز کی بھی کچھ زیادہ پابندی نہیں ہے، مسلمانوں کی یہ ڈھیل مسیحی تبلیغ
کے لئے بہت اہم ہے، کہا جاتا ہے کہ ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہوتا ہے، لیکن نائجیریا میں یہ مقولہ ایک
بہت محدود معنی میں صحیح ہے، برخلاف اس کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حیثیت سے نائجیریا میں
اسلام کے کارنامے بہت نمایاں ہیں، اسلام ہی نے وہاں کے وحشی قبائل کو متمدن بنایا، اس نے لوگوں کے
مطمحِ نظر کو وسیع بنایا، ٹولیوں کو متحد کرکے ایک قوم بنائی، اور کسی حد تک لکھنے پڑھنے کو رواج دیا، علاوہ بریں
مردم خوری، شراب نوشی اور دوسرے برے رسوم کو ممنوع قرار دے کر اس نے بعض علاقوں میں حبشیوں
کی تمدنی حیثیت حقیقۃً بلند کر دی ہے،

اسلام کی ترقی مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا نتیجہ نہیں ہے، ابتدا میں لوگ بجبر مسلمان بنائے گئے،
لیکن آج اسلام غیر شعوری طور پر محض معاشرتی تعلقات کی وجہ سے پھیل رہا ہے، بت پرست جب مسلمانوں سے
ملتا ہے، تو دیکھتا ہے، کہ وہ دماغی قوت اور قابلیت میں اس سے بڑھے ہوئے ہیں، وہ اکثر لکھ پڑھ سکتے ہیں، دنیا
کے حالات سے زیادہ واقف ہیں، اور ان کے مکانات اسکے مکانات سے بہتر ہیں، وہ یہ بھی دیکھتا ہے، کہ
اُن کا مذہب کس قدر عالمگیر ہے، ان تمام باتوں کے اثر سے وہ مسلمان ہو جاتا ہے، مسلمان اکثر بت پرست عورتوں

سے شادیاں بھی کرتے ہیں، اس ذریعہ سے بھی مذہب کی اشاعت ہوتی ہے،
مسلمانوں کے ہر شہر میں ایک مدرسہ ہے، بچے اس میں بہت ابتدائی عمر میں جاتے ہیں، اور انھیں قرآن
شریف پڑھنا سکھایا جاتا ہے، اسکے بعد انھیں وضو وغیرہ کے طریقے بتائے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ
طریقہ تعلیم ناقابلِ اطمینان اور ناکافی ہے، تاہم اسکی وجہ سے تقریباً تین فی صدی مسلمان لکھ پڑھ سکتے ہیں، جو
بت پرستوں کی تعلیمی حالت کے مقابلہ میں بہت غنیمت ہے،
سب سے بڑھکر یہ کہ نائجیریا میں اسلام کی وجہ سے اتحاد قائم ہو گیا ہے، اور اس اعتبار سے جنوب جہاں
بت پرستوں کی آبادی ہے، اور شمالی اسلامی ریاستوں میں بہت نمایاں فرق ہے،
زبانوں کی کثرت کے لحاظ سے شمالی نائجیریا گویا بابل کا مینار ہے، تنہا اس ایک علاقہ میں دو سو سے زیادہ
زبانیں بولی جاتی ہیں،
تعلیمی حالت بہت پست ہے، تقریباً اٹھانوے فی صدی آبادی بالکل جاہل ہے، برخلاف اس کے جنوبی
نائجیریا میں جہاں زیادہ تر بت پرست آباد ہیں، تعلیم زیادہ پھیلی ہوئی ہے، اسکی ایک وجہ یہ ہے، کہ شمالی صوبوں
میں عیسائی مشن کو تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں ہے، علاوہ اُن حلقوں کے جہاں بت پرستوں کی آبادی ہے، اور
جنوبی صوبوں میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ شمالی نائجیریا میں
حکومت صرف (۴۴۰۰۰) پونڈ سالانہ تعلیم پر صرف کرتی ہے، حالانکہ جنوبی نائجیریا میں (۱۳۴۰۰۰) پونڈ سالانہ صرف
کئے جاتے ہیں، لیکن شمالی نائجیریا کے سرکاری مدرسوں میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہے، یعنی صرف (۱۵۰۰) مسلمان
اپنے بچوں کو سرکاری مدرسوں میں جہاں پرنسپل یورپین ہوتے ہیں، بہت کم بھیجتے ہیں، کیونکہ حبشی فطرۃً قدامت
پرست ہوتے ہیں، نیز وہ یہ دیکھتے ہیں، کہ سرکاری مدرسوں میں بچوں کا وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، اور
کھیتی باڑی کے لئے انھیں وقت کم بچتا ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو اسلامی مدارس میں داخل کرتے
ہیں، جہاں صرف صبح اور شام ایک ایک گھنٹہ پڑھائی ہوتی ہے، ۱۹۲۵ء میں اس وسیع علاقہ میں صرف

تیس سرکاری مدارس تھے، اور ایک سو تین مشنری مدارس تھے، اسکے مقابلہ میں بیس سال اسلامی مدارس کی تعداد (۳۰۳۸۱) تھی، جن میں (۲۴۹۰۳) اساتذہ تعلیم دیتے تھے، اسوقت اسلامی مدارس کا شمار (۱۱۴۰۳) طلبہ کی تعداد (۱۶۲۳۷۰) اور اساتذہ کی (۳۵۰۹۳) ہے، شمالی نائیجیریا میں جتنے بچے تعلیم پا رہے ہیں، ان میں اسّی فی صدی سے زیادہ اسلامی مدارس کے طلبہ ہیں،

"ع ز"

تاتار کی اسلامی صحافت

ایشیا کے ان مسلمانوں میں جنھوں نے اپنی داخلی اصلاح و ترقی اور اپنے حالات سے دنیا کو عموماً اور عالم اسلام کو خصوصاً باخبر رکھنے کے لئے اپنی مستقل صحافت کی ضرورت محسوس کی، تاتاری سب سے آگے ہیں،

تاتار کی جدید تاریخ میں اخبار "ترجمان" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تاتاری زبان کا یہ سب سے پہلا اخبار تھا، اس نے تاتاری مسلمانوں کی بڑی مفید خدمات انجام دیں، اس کا بانی اور اڈیٹر تاتار کا مشہور مدبر و مصلح اسمٰعیل بک غصپری نسکی تھا، یہ پہلا شخص ہے، جس نے پہلی مرتبہ عام موتمر اسلامی کے انعقاد کی دعوت دی، یہ اخبار آج سے نصف صدی پیشتر نکلا تھا، ابتدا میں ہفتہ وار تھا، پھر ترقی کرکے روزانہ ہوگیا، اس کا ایک صفحہ روسی زبان میں ہوتا تھا، اس سے روس اور قرب وجوار کی دوسری قوموں کو تاتاری مسلمانوں کی حالت سے پوری واقفیت ہوگئی، ترجمان نے سب سے بڑی خدمت اصلاحِ تعلیم کی انجام دی، اس نے تاتاریوں کو پرانی اور فرسودہ تعلیم اور طریقہ تعلیم کو بدل کر جدید تعلیم کو جو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت سے قریب تر ہو، اختیار کرنے پر آمادہ کیا، اور ایک نئے طرز کی بڑی درسگاہ قائم کی، جس سے صدہا تاتاری نوجوان مستفید ہوئے، تاتاری حروف اور رسم الخط میں مفید اصلاحیں کیں اور ان پرانے حروف تہجی کی جگہ جن کی تحریر میں بڑی پیچیدگیاں تھیں نئے اور آسان حروف کو داخل کرکے ترجمان کے ذریعہ سے ان کی اشاعت کی، تاتاریوں کا یہ مصلح اور محسن اعظم برسوں اپنی قوم کی خدمت انجام دیکر ۱۹۱۴ء میں انتقال کرگیا، اس کے انتقال کے بعد دس سال تک اخبار ترجمان نکلتا رہا، پھر بعض ایسے واقعات پیش آگئے کہ بند کر دینا پڑا،

ترجمان کے بعد مختلف مقامات سے تاتاریوں کے متعدد اخبارات و رسائل نکلے، دو بھائیوں محمد شاکر اور محمد ذاکر نے "اورنبرگ" سے ایک بڑا اخبار "وقت" کے نام سے نکالا، ایک اور مشہور تاتاری عالم مفتی ضیاء الدین[1] نے "شوریٰ" نام اخبار نکالا، یہ دونوں اخبار تاتاری صحافت کا بہترین نمونہ تھے، "قازان" سے دو اخبار "یولدوز" (ستارہ) اور "کویاش" (آفتاب) نکلے، ایک ممتاز تاتاری لیڈر عیاض اسحاقی[2] نے "ماسکو" سے "وطن" نکالا، جنگ عظیم کے بعد مشرق اقصیٰ اور یورپ سے تاتاری زبان کے بہت سے اخبارات و رسائل نکلے،

امام احمدی اور ڈاکٹر احمد زکی نے سنہ ۱۹۲۰ء میں "خربین" سے "ازاک شرق" (مشرق اقصیٰ) ایک رسالہ نکالا، جو ترقی کرکے سنہ ۲۴ء میں روزانہ اخبار بن گیا، "ازاک شرق" کے علاوہ خربین سے اور متعدد اخبارات و رسائل نکلے،

سنہ ۱۹۳۰ء میں تاتار کے قائد اعظم اور ان کے مذہبی اور سیاسی رہنما شیخ عبدالحیٔ قربان علی نے جاپان سے جینی زبان میں ایک ماہانہ رسالہ "ینی یاپون مخبری" نکالا، یہ نہایت بلند پایہ رسالہ ہے، اس میں زیادہ تر تاتار کے مہمات مسائل پر مضامین ہوتے ہیں، اس کے بعد علی الترتیب جاپان، مشرق اقصیٰ کی تاتاری قوموں اور عالم اسلام کی خبریں ہوتی ہیں، اس رسالہ کی اشاعت ہزاروں کی تعداد میں ہوتی ہے، اسوقت یورپ سے دو تاتاری اخبار نکلتے ہیں "ینی ملی یول" اور "یاش ترکستان" (ترکستان جدید) پہلا عیاض اسحاقی کی ادارت میں نکلتا ہے، اور دوسرا طشقانی اوغلی کی،

ان اخبارات و رسائل کے علاوہ پولینڈ کے تاتاری النسل مسلمانوں کے ادیبوں کی ایک جماعت پولینڈ کے پایۂ تخت وارسا سے سالانہ تاتاری "جنتری" نکالتی ہے،

"م"

---

[1] یہ وہی ہیں جن کا پچھلے سال انتقال ہوا [2] یہ آجکل جاپان میں خدمت اسلام کر رہے ہیں،

مصر اور حبشہ

مندرجۂ بالا عنوان سے ہیبرٹ جرنل میں ڈاکٹر رینڈل ہیرس نے مصر اور حبشہ کے درمیان ان روابط و تعلقات پر روشنی ڈالی ہے، جو زمانہ تاریخ سے پہلے ان دونوں میں قائم تھے، اوس کی تلخیص ذیل میں درج کیجاتی ہے،

ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ جب کہ حبشہ میں مصریوں کی نوآبادی تھی، یہاں وہ مصری بحری سیاح آباد تھے، جو سونا، ہاتھی دانت، تیل اور نادر پودوں کی تلاش میں آئے، چنانچہ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے، کہ نیل ازرق اپنے منبع سے لیکر بحر قلزم تک مصریوں کے زیر نگیں تھا، نیل ازرق ہی دریائے نیل تھا جو اس زمانہ میں بھی مصر کی زرخیزی اور شادابی کا مخزن تھا،

بحر ہند میں جو جزیرہ سقوطرہ کے نام سے آباد ہے، اور جس کو یونانی ڈی اوس کورو ڈیس (Dioscora des.) کہتے تھے، اس کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ مصری نوآبادی تھی، جہاں اس کے باشندے مصری مذہب کے پیرو تھے، سقوطرہ کے معنی رع کا میدان ہے، رع آفتاب کے خدا کو کہتے ہیں (سقوطرہ اصل میں سقو طارع ہے)،

ممفس کا ایک حصہ بھی اسی نام سے منسوب تھا، جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اس کی بنیاد بھی مذہبی حیثیت سے ڈالی گئی،

یہ امر واقعہ ہے کہ مصری بحری سیاح بحر احمر سے ہو کر بحر ہند میں سینکڑوں میل زمین کی طرف نکل جایا کرتے تھے، تو پھر یہ بھی یقینی ہے، کہ جنوبی عرب کے ساحل اور پھر افریقہ کے اس ساحل سے بھی ہو کر گذرتے تھے، جسکو آج ہم سومالی لینڈ کہتے ہیں،

سومالی لینڈ مصریوں کی زبان میں پنٹ (Punt) کے نام سے موسوم تھا، اور یہ بھی وثوق

کے ساتھ کہا جاسکتا ہے، کہ پنٹ (Punt) مصری نوآبادی تھی، حبشہ کے نقشہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک علاقہ سوکورا (Socora.) کے نام سے منسوب ہے، جو یا تو سوکوترا (Socotra) ہے یا سوکرا (Socra.) ہے، سوک (Soc.) مصری زبان میں سوکھٹ (Sokhet) کا صیغۂ تذکیر ہے، جس کے معنی میدان کے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ مصری حبشہ میں ضرور آباد ہوئے،

اشانتی لینڈ (Ashanti-land) میں چند دریا ایسے ہیں جن سے موجودہ زمانہ میں بھی برطانوی باشندوں نے سونا نکالنے کی کوشش کی ہے، ان میں جو اہم دریا ہے اس کا نام انکوبرا (Ankobra) ہے، یہ مصری نام ہے، جس کے معنی راع کے دل کی زندگی ہے، یہ بعض متاخر فراعنہ کا لقب بھی ہوگیا تھا، انکوبر (Ankober) حبشہ کے قدیم پایۂ تخت یا اس کے کسی ایک بہت ہی مشہور شہر کا بھی نام تھا، حبشہ کی تاریخوں اور سیاحوں کے سیاحت ناموں کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انکوبر (Ankober) کے معنی بھی سنہرا شہر تھا، اگر یہ امر واقعہ ہے، تو ہم کو تسلیم کرنا پڑے گا، کہ مصری یہاں ضرور آباد ہوئے،

ایک تحقیق اور ہے، اہل حبشہ کے ایک کھانے کا نام ٹف (Teff.) ہے، یہ روٹی پر سیاہ مرچ چھڑکا ہوا ہوتا ہے، اصل میں یہ مصری لفظ (Tchefa) ہے، جو غذا کی عام اصطلاح ہے، اگر مصریوں نے حبشہ میں اناج کو رواج دیا، تو وہ اصلی معنوں میں حبشہ کو متمدن بنانے والے تھے، کیونکہ تمدن کی ابتدا ہر جگہ اناج کے کھانے ہی سے ہوتی ہے، اس سے ایک بات اور پیدا ہوتی ہے، اس کھانے کے نام کے ابتدائی حروف (Tch) ہیں، جس کا تلفظ کرنا آسان نہیں، لیکن یہ خاص حبشہ کی زبان کا حرف ہے، اور حبشہ کی اس جھیل کے نام کا پہلا لفظ ہے، جس سے دریائے نیل ازرق نکلتا ہے، والڈمیر جس نے حبشہ میں دس سال تک تبلیغی کاموں میں زندگی بسر کی ہے، اس حرف کا نام (Tzana) لکھتا ہے، دوسرے لوگ اسکو (Tana) بھی کہتے ہیں، بحر قلزم کی طرف دریائے نیل کے بازو پر یونانیوں نے

(Ionia) کے نام سے ایک نوآبادی قائم کی، اس کا متصل علاقہ عبرانی میں (Zoan) اور عربی میں سان کہلاتا ہے، ان دونوں شہر کا نام (Tchan) تھا، اس کے ابتدائی حروف یونانی اور عبرانی حروف میں بدلتے رہے،

ایک بات اور ایک زمانہ میں پورا بحر خزر (Caspian Sea) مصریوں کے زیر اقتدار تھا، اس علاقہ میں تیل کی کانیں جو اب تک حصول دولت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں، مصری نام سے منسوب تھیں، اس علاقہ یا اس کے پایہ سلطنت کا نام باکو ہے، جو تیل کے معنی میں مصری لفظ ہے، حبشہ میں بھی ایک علاقہ کا نام باکو (Bakho) ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ بھی تیل کا ایک مرکز ہوگا، جہاں اگر مصری تیل نکالا کرتے ہوں گے، یہاں اب بھی تیل پایا جاتا ہے، اور اگر حکومت تیل نکالنے کے لئے کوئی باضابطہ کام شروع کرے، تو زمین کی سطح سے قریب ہی تیل برآمد ہو سکتا ہے، اگر مذکورہ بالا نام کی توجیہ صحیح ہے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب سے بہت ہی پہلے مصریوں نے حبشہ میں کان کنی کا کام اسی طرح شروع کیا تھا، جس طرح انھوں نے بحر خزر کے علاقہ میں کیا،

سطور بالا سے حبشہ پر مصریوں کے اثرات عیاں ہیں، ان روایات کی موجودگی میں موجودہ مصری حکومت کو حبشہ سے متعلق کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے، اس کا بتانا ہمارا کام نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک زمانہ میں مصر حبشہ کے مستقبل سے متعلق گہری دلچسپی لیا کرتا تھا،

"ص ع"

انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جسکو پڑھکر یہ معلوم ہو سکتا ہے، کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں، طبع دوم قیمت ۱۲؍ ضخامت ۱۶۲ صفحے،

"منیجر"

اخبار علمیہ

سلطنت عثمانیہ کی بعض دستاویزات

ٹرکش ہسٹوریکل کمیشن نے حال میں سلطنت عثمانیہ کی قدیم سرکاری دستاویزات دو جلدوں میں شائع کی ہیں، ایک جلد میں وہ دستاویزات ہیں، جو گیارہویں صدی ہجری کے استنبول کے حالات اور معاشرت سے متعلق ہیں، اور دوسری جلد میں وہ جنکا تعلق تیرہویں صدی ہجری سے ہے، پہلی جلد میں ۱۵۹۲ء سے ۱۵۸۹ء تک کی دستاویزات ہیں، اور دوسری میں ۱۷۸۶ء سے ۱۸۲۹ء تک کی، ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان عہدوں میں استنبول کی معاشرتی، اقتصادی اور صنعتی زندگی کا کیا حال تھا، مثلاً پہلی جلد کی دستاویز نمبر ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے، کہ غلطہ کے مسلمانوں نے ایک عرضداشت باب عالی میں اس مضمون کی بھیجی تھی، کہ وہاں کے عیسائی اپنے گھروں میں علانیہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے ہاتھ شراب فروخت کرتے ہیں، لوگ اُن کے گھروں پر مجتمع ہو کر شراب پیتے ہیں، اور بہت شور و غل مچاتے ہیں، جس سے مسجد کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، اس بناء پر استدعا کی گئی تھی، کہ شراب کا علانیہ فروخت کرنا ممنوع قرار دیا جائے، چنانچہ یہ درخواست منظور کر لی گئی، دستاویزات نمبر ۵۲ و ۵۳ میں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کا ذکر ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ اس معاملہ میں کسقدر بے عنوانی پھیلی ہوئی ہے، لہذا عیسائیوں اور یہودیوں، اور قزلباشوں کو استنبول میں اس کاروبار کی قطعی طور پر ممانعت کر دی گئی،

دوسری جلد کی دستاویز نمبر ۴ میں استنبول کی عورتوں کے لباس کا ذکر ہے، اُس زمانہ میں عورتیں

اتنے باریک کپڑے کا فراجہ استعمال کرتی تھیں، کہ اندر کا لباس نظر آتا تھا، فراجہ ایک قسم کی بالائی پوشش تھی جو اور سب کپڑوں کے اوپر پہنی جاتی تھی، اس دستاویز میں یہ حکم درج ہے کہ "اگر اب سے کوئی درزی یا لباس فروش اتنے باریک کپڑے کا فراجہ بنانے کی جرات کرے گا، جس سے عورتوں کا اندرونی لباس نظر آئے، تو اسے اوسکی دوکان کے سامنے پھانسی دیدی جائے گی"

دستاویز نمبر ۶ میں سونے اور چاندی کی چیزوں کے متعلق احکام ہیں، جو محل سلطانی اور دوسرے عہدہ داروں کے محلوں میں استعمال ہوتی تھیں، لکھا ہے کہ "باوجودیکہ از روے شریعت سونے چاندی کا استعمال صرف مہروں، تلواروں، اور عورتوں کے زیورات میں جائز ہے، اور باقی ہر طرح حرام ہے، تاہم مختلف قسم کے برتن سونے چاندی کے بنائے جاتے ہیں، اور اس سے ٹکسال میں سکّوں کے لئے سونے چاندی کی بہت کمی واقع ہو رہی ہے خصوصاً جنگ کے اوقات میں جب کہ سونے چاندی کے سکّوں کی فراوانی بہت اہم ہوتی ہے، لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ (ایک قلیل مقدار کے علاوہ) محل سلطانی کے تمام طلائی اور نقرئی ظروف شاہی ٹکسال کے حوالہ کر دئیے جائیں، اور تیس روز کے اندر وزیروں اور دوسرے عہدہ داروں کے محل کے بھی سونے چاندی کے تمام برتن ٹکسال میں بھیج دے جائیں، جو کوئی بھی اس حکم کی خلاف ورزی کرے، اس پر اللہ اور اوس کے رسول کی لعنت ہو"

ایران میں تعلیمی ترقی

ایران کی وزارت تعلیم نے جو سالانہ رپوٹ بابت سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء شائع کی ہے، اس سے وہاں کی تعلیمی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، اعداد و شمار حسب ذیل ہیں،

۱- جدید اسکیم کے مطابق دار السلطنت میں ابتدائی مدارس میں (۴۰) درجوں کا اضافہ کیا گیا، (۰) نئے ابتدائی مدارس (۹) جدید ثانوی مدارس کے درجے، (۱) بہت چھوٹے بچوں کا مدرسہ، اور (۵) مخصوص موسیقی کے درجے کھولے گئے،

۲- صوبوں میں ابتدائی مدارس میں (۲۷۰) درجوں کا اضافہ کیا گیا، (۱۱۸) مدرسے چھوٹے بچوں کیلئے جدید طرز تعلیم کے کھولے گئے، ثانوی مدرسوں میں (۴۳) جدید اور اونچے درجوں کا اضافہ کیا گیا، (۵) ابتدائی نارمل اسکول، (۲) چھوٹے بچوں کے مخصوص مدرسے، (۸) معمل، اور (۲) کتب خانے قائم کئے گئے،

۳- بالغوں کی تعلیم کے لئے طہران میں (۹۱) اور صوبوں میں (۶۵۹) درجے کھولے گئے،

۴- سنہ ۳۵-۱۹۳۴ء میں تمام ملک میں اتنے مدرسے قائم ہوئے:- لڑکوں کے لئے ابتدائی مدارس (۶۹) لڑکیوں کے لئے (۱۴۳۳) لڑکوں کے لئے ثانوی مدارس (۴۶)، لڑکیوں کے لئے (۱۸)

۵- سنہ ۳۵-۱۹۳۴ء میں داخلہ کی تعداد:- ابتدائی مدارس میں (۸۵۲۱۵) لڑکے اور (۳۲۳۲۴) لڑکیاں ثانوی مدارس میں (۶۷۷۰) لڑکے، اور (۱۰۰۱) لڑکیاں،

بلند پروازی کا اثر دماغ پر

فضاے آسمانی میں جسقدر بلندی پر جائیے، آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جائے گی، حال میں یہ تجربہ کیا گیا ہے، کہ اس کمی کا اثر دماغ پر کیا پڑتا ہے، معمولوں کو ریاضی کے چند سوالات دیدئیے گئے تھے، سولہ ہزار فٹ سے اوپر جانے کے بعد ان کا دماغ سُست ہونے لگا، اور وہ اُن سوالات کو پوری طرح حل نہ کر سکے، پھر جب ٹیوب کے ذریعہ سے آکسیجن کی کافی مقدار ان کو بہم پہونچائی گئی تو انکی دماغی قوت از سرِ نو عود کر آئی اور وہ سوالات انھوں نے آسانی سے حل کر لئے،

جامعہ ازہر میں انگریزی تعلیم

ازہر میں ایک نیا قانون نافذ ہونے والا ہے، جس کی رو سے کلیہ اصول الدین واقع شبرا میں غیر ملکی زبانوں کی تعلیم داخل نصاب کر دی جائے گی، کیونکہ اس کالج کے فارغ التحصیل طلبہ تبلیغ کا کام کرتے

ہیں، اور اُن کو مختلف زبانوں سے واقفیت کی ضرورت پڑتی ہے، شیخ الازہر نے یہ فیصلہ کر لیا ہے، کہ چونکہ انگریزی اور فرانسیسی زبانیں تمام اسلامی ممالک میں استعمال ہوتی ہیں، اسلئے اس کالج میں ان دونوں زبانوں کی تعلیم جاری کر دی جائے،

ایک عجیب گھڑی

کارخانوں اور دفتروں کے بعض ملازمین جب کبھی اپنے کام پر دیر کر کے پہونچتے ہیں، تو وہ کبھی کبھی اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ دفتر کی گھڑی کی سوئی پیچھے ہٹا کر اپنا آنا صحیح وقت پر درج کر لیں، ایسے لوگوں کی گرفت کے لئے ایک عجیب وغریب گھڑی ایجاد کی گئی ہے، جو امریکہ میں رائج بھی ہو گئی ہے، یہ گھڑی ایک چھوٹے سے بکس کے اندر بند رہتی ہے، بٹن دبانے سے فوراً دن، تاریخ، گھنٹہ، اور منٹ کاغذ کی ایک چٹ پر جو مشین کے اندر لگی ہوئی ہے، درج ہو جاتا ہے، اور یہ چٹ خود بخود سامنے سے ہٹ کر اندر کی طرف چلی جاتی ہے، اس کے بعد اس چٹ کا ایک سادہ حصّہ بکس کے سوراخ کے سامنے آجاتا ہے، اسی حصّہ پر ملازم یا مزدور اپنے دستخط کر دیتا ہے،

تقریر کی اصلاح

امریکہ کی نارتھ وسٹرن یونیورسٹی میں ایک شعبہ تقریر کی اصلاح کا کھولا گیا ہے، طلبہ اپنی تقریر اور گفتگو کو فونوگراف کی پلیٹوں میں بھر کر اس کے نقائص کا تجزیہ اور اصلاح کرتے ہیں، یہ طریقِ اصلاح کامیاب ثابت ہو رہا ہے،

"ع ز"

ادبیات

جذبِ اثر

ازجناب نواب جعفر علی خانصاحب اثر لکھنوی

پی کے آپے میں رہے کوئی یہ مقدور نہیں — مئے منصور ہے، افسردۂ انگور نہیں

گلۂ دوست انہیں اے دلِ رنجور نہیں — دردمندانِ محبت میں یہ دستور نہیں

جرم ٹھہرا ہے ترے عہد میں اقرارِ وفا — نام مٹ جائے محبت کا تو کچھ دور نہیں

ہائے وہ آنکھ ٹپکنے لگی حسرت جس سے — ہائے وہ دل کہ جسے ضبط کا مقدور نہیں

آشنائے غمِ الفت نہ کسی کو پایا، — نرگستاں ہے یہاں دیدۂ پرنور نہیں

بدگماں سے کوئی اتنا نہیں کہنے والا — عشق خوددار ہے خودسر نہیں مغرور نہیں

لٹ رہا ہے چمن اور آہ نہیں کر سکتے — پھر غلط کیا ہے کہ ہمسا کوئی مجبور نہیں

جس طرح شب سے عیاں نورِ سحر ہوتا ہے — بختِ خوابیدہ بھی جاگ اٹھے تو کچھ دور نہیں

ذرے ذرے سے یہ آہنگِ حقیقت ہو بلند — خود فروشوں کے لئے رایتِ منصور نہیں

آہ کے ساتھ گئی لذتِ دردِ جگری، — حسرت اے دل کہ تمنا کوئی شکور نہیں

دعوی ظرف جنھیں ہو کوئی ان سے کہدے — ہمکو اندازۂ سرمستیٔ منصور نہیں

یہ سمجھ لے کہ ہوا درخورِ بزمِ ساقی — شب کا میخوار اگر صبح کو مخمور نہیں

دل میں آراستہ کر انجمنِ شوقِ اثر — پئے آغوشِ نظر جلوۂ مستور نہیں

بیانِ حقیقت

از حکیم الشعراء جناب امجد حیدرآبادی

باغباں کی منت سے آپ کو رہا پایا
جس نے غنچۂ دل کو باغِ دلکشا پایا،

تیرے وصل کی خواہش اک غلط نمائش تھی
اپنے آپ کو میں نے تجھ سے کب جدا پایا،

آنکھ بند ہونے پر دید کی تمنا ہے،
آنکھ رکھ کے کیا دیکھا زندگی میں کیا پایا

ناامیدی و امید، ساتھ ساتھ چلتی ہیں،
بارہا اُسے کھویا اور بارہا پایا،

سانس جسکو کہتے ہیں ایک پھانس ہے دل میں
زندگی کے دھوکے میں موت کا مزا پایا،

علم ایک نقطہ ہے، اور کچھ نہیں، لیکن
نقطۂ نظر اک کا، ایک سے جدا پایا،

ہم تو صاف کہدیں گے مل گیا خدا اسکو،
جس نے اس خدائی میں بندۂ خدا پایا،

حیلہ ہاتھ آتا ہے، خوب پائے بوسی کا
رکھدیا قدم پر سر، جب انہیں خفا پایا،

جستجو ہی اے امجد رازِ کامیابی ہے،
جس نے جابجا ڈھونڈا، اُسنے جابجا پایا،

فغانِ روشن

از

جناب روشن صدیقی

پردۂ رازِ غمِ عشق اوٹھایا نہ گیا،
بے کسی سے بھی مرا حال سنایا نہ گیا،

کردیا دفترِ ہستی تو پریشاں دل نے
مگر اک خوابِ پریشاں کو بھلایا نہ گیا،

کبھی اے جنبشِ دامانِ تصور! مجھسے
شمعِ احساسِ جدائی کو بجھایا نہ گیا،

مرحلۂ عشق سے آگے نہ بڑھی وحشتِ عشق
حُسن آزاد کو دیوانہ بنایا نہ گیا،

کھو گیا ایک ہی سجدے میں مرا ذوقِ سجود
جُھک گیا سر ترے در پر تو اٹھایا نہ گیا

عشق اک داغ سہی دامنِ ہستی پہ، مگر
دونوں عالم سے بھی یہ داغ مٹایا نہ گیا

کردیا دل کو تو مدہوشِ محبت لیکن
اُن نگاہوں سے بھی پھر ہوش میں آیا نہ گیا

کس کس عنواں سے بھلانا انہیں چاہا تھا روشن
کسی عنواں سے مگر اُن کو بھلایا نہ گیا،

رنگِ تغزل

از

جناب سید عبدالعلی صاحب تجر الٰہ آبادی

جب تجھ سے حسیں کو پائیں گے ہم
پھولے پھر کیوں سمائیں گے ہم،

رنجش میں بھی لُطف پائیں گے ہم
روٹھے گا کوئی منائیں گے ہم،

آجا تیری دلبری کے صدقے
سب ناز ترے اٹھائیں گے ہم،

پیارے ہو حسیں و خوبرو ہو
دنیا سے تمھیں چھپائیں گے ہم،

تیری ہی تلاش میں کسی دن
اپنے کو بھی ڈھونڈلائیں گے ہم،

آوارہ مزاج رنگ و بو ہیں
پھولوں کی ہنسی اڑائیں گے ہم،

تو یاد رکھ اے ستانے والے
اک روز تجھے ستائیں گے ہم،

اس عہدِ شباب میں بھی اے تجر
کیا عیش و سکوں نہ پائیں گے ہم،

مطبوعاتِ جدیدہ

الازہار المربوعہ فی رد الآثار المتبوعہ — مؤلفہ مولینا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی صدر مدرس مفتاح العلوم، مئو ضلع اعظم گڈہ، ص ۱۵۲، پتہ :- حافظ محمد صادق محلہ بہادر شہید متصل بیبی کوٹھی، بنارس،

بعض اہلِ حدیث اور فقہاے مذاہب میں ایک مدت سے یہ بحث چلی آرہی ہے، کہ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں، وہ ایک کے حکم میں ہیں، اور اسلئے رجعی ہیں، یا تین ہیں، اور ان سے طلاق بائنہ پڑتی ہے جس میں رجوع نہیں، پہلا مسلک اہلحدیث کا ہے، اور دوسرا عام فقہاے مذاہب کا، اہلِ حدیث کے مسلک کے سب سے پرجوش حامی امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم ہین، ہندوستان میں بھی حضرات اہلِ حدیث یہی مذہب رکھتے ہین، اور ہندوستان اور مصر میں اس پر سرگرم بحثیں ہوئی ہیں، آج کل مئو اور بنارس کے بعض علماء نے ہر دو طرف سے اس پر پرزور تحریریں لکھی ہیں حنفی مصنف نے پہلے اس مسئلہ پر ایک مختصر رسالہ الاعلام المرفوعہ کے نام سے لکھا تھا، اسکے جواب میں ایک اہلحدیث عالم نے الآثار المتبوعہ لکھا، اب پھر حنفی فاضل مولینا حبیب الرحمٰن صاحب نے الازہار المربوعہ لکھکر جواب الجواب دیا ہے، اور فریق کے ایک ایک دعوی اور دلیل پر بہ تفصیل ردو قدح کی ہے، اور اس ضمن میں احادیث وآثار کی بڑی چھان بین کی ہے، مسئلہ کا فیصلہ تو فریقین جانیں، لیکن جو بات یہاں کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ اس بحث میں ہمارے ہندی دوست مصر کے مشہور حنفی مصری عالم شیخ نجیب سابق شیخ ازہر سے بہت آگے نکل گئے ہیں، جنھون نے اسی بحث پر ایک رسالہ الابحاث فی التطلیقات لثلاث لکھا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ عقلیات کے علاوہ نقلیات میں بھی ہندوستان

کا علم بحمد اللہ مصر سے زیادہ ہے، احناف میں جو لوگ اس ضروری مسئلہ سے آگاہ ہونا چاہیں، ان کے لئے اس رسالہ کا پڑھنا نہایت ضروری ہے، ابھی اس رسالہ کا یہ پہلا حصہ شائع ہوا ہے، دوسرا حصہ ابھی قدر دانوں کی توجہ کا منتظر ہے، حضرات اہلِ حدیث کو بھی اس رسالہ کو پڑھنا چاہئے، تاکہ فریق مخالف کے پورے دلائل پر بھی مطلع ہو سکیں۔ "س"

تفسیر سورۂ کوثر، مؤلفہ مولینا حمید الدین فراہی، مترجمہ مولینا امین احسن اصلاحی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۳ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت نہایت نفیس، قیمت :- ۸/ پتہ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈہ،

مولینا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ کی تفسیر وتاویل میں جو ملکۂ راسخہ اور حقائق ومعارفِ قرآنی کے فہم وتدبر میں جو شرحِ صدر عطا فرمایا تھا، ان کے دوسرے تفسیری رسائل کی طرح یہ رسالہ بھی ان کی ان تمام تفسیری خصوصیات کا حامل ہے، سورۂ کوثر کی تفسیر میں عموماً مفسرین کوثر سے مراد جنت کی نہر یا خیر کثیر "شانئک" سے مراد متعین شخص اور "ابتر" سے مراد مقطوع النسل لیتے ہیں، لیکن مولینا کے نزدیک تمہ سورہ فتح مکہ کی بشارتِ عظمیٰ اور خانہ کعبہ کے جلال وعظمت کی تصویر ہے، اس روشنی میں ان کے نزدیک "کوثر" سے مراد خانہ کعبہ، "شانئک" سے مراد قریش، اور "ابتر" سے مراد مخذول ومقہور ہے، اسکی تائید میں انھون نے کلامِ عرب، حدیث وآثار، محلِ نزول، اور ماقبل ومابعد کی سورتوں کے ربط سے مذہبی اور عقلی دلائل پیش کئے ہیں جن کی دلنشینی کا اندازہ صرف ان کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے، پھر اس تفسیر کے سلسلہ میں انھون نے نماز اور قربانی کی حقیقت دونوں کی باہمی مناسبت، ماقبل ومابعد کی سورتوں سے اس کے تعلق، تمام امتوں پر امتِ مسلمہ کی فضیلت سورہ کے محلِ نزول، فتح مکہ کی بشارت، امت مسلمہ کے لئے رضوانِ الٰہی کی بشارت، نبوتِ محمدی کی دائمی دلیل، حضرت ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ، اور اوسکی تصدیق وغیرہ بڑے عالمانہ اور دقیق مباحث پیدا کئے ہیں، اور ان میں جو جو نکتہ آفرینیاں، اور دقیقہ سنجیاں کی ہین، ان کا اندازہ پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے، کہ بے اختیار ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے، یہ تفسیر کلام الٰہی کے شائقین کے لئے عموماً اور مولینا کے بادۂ حقیقت کے ذوق شناسون

کے لئے خصوصًا ایک نعمت ہے، لائق مترجم کے انشا پرداز قلم نے لطفِ بیان کو پوری طرح قائم رکھا ہے، اور مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے، کہ لوگ عام طور سے ان بلند مباحث کو سمجھ سکیں،

ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش خالدہ ادیب خانم، مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۸۴ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت:۔ عار، پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

۱۹۳۵ء میں مشہور ترکی خاتون خالدہ ادیب خانم نے جامعہ ملیہ میں "ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش" کے موضوع پر آٹھ خطبے دیئے تھے، یہ کتاب انہی خطبات کا ترجمہ ہے، ان میں عثمانی سلطنت کے دور تاسیس سے لیکر قیام جمہوریہ تک ترکوں کی تاریخ کے تمام پہلوؤں پر نہایت عالمانہ تبصرہ ہے، پوری کتاب فاضل خطیبہ کی وسعت نظر اور سیاسی بصیرت کا آئینہ ہے، ان خطبات کی ایک حیثیت ترکی قوم اور عثمانی سلطنت کی تاریخ ہے جس میں اس کے سیاسی انقلابات وحوادث، تمدنی اور ادبی ارتقاء، مذہبی تغیرات اور اس کے اثرات ونتائج کے حالات ہیں، دوسری حیثیت مشرق و مغرب کی کشمکش، ان کے سیاسی اور تمدنی تعلقات اور اسکے ذہنی اور مادی نتائج پر تبصرہ کی ہے، جس سے ہندوستان کے موجودہ دورِ انقلاب میں بہت کچھ سبق مل سکتا ہے، کہ یہ اس قوم کی داستان ہے جو ابھی تھوڑے ہی دنوں پہلے ان مراحل سے گذر چکی ہے، جو ہندوستان کو در پیش ہیں، اگرچہ غلام اور آزاد قوم کی حیثیت سے دونوں کے حالات میں بہت فرق ہے، پھر بھی بہت کچھ اشتراک پایا جاتا ہے، ضمنًا ان خطبات میں سیاست، مذہب اور تہذیب و معاشرت وغیرہ کے بہت سے ایسے مسائل آ گئے ہیں، جو ہندوستانیوں کے سامنے بھی ہیں، ممکن ہے یہ تمام خیالات بجنسہ قابلِ قبول نہ ہوں، لیکن ان سے فائدہ ضرور اٹھایا جا سکتا ہے، سبب یہ ہے کہ خانم موصوفہ نے مغربی تعلیم پائی ہے، اور مغربی تمدن کے ماحول میں زندگی بسر کی ہے، اسلئے وہ اسی نقطۂ نظر سے ہر چیز کو دیکھتی ہیں، اسلامی مسائل کی جو تشریح انھوں نے کی ہے، اس سے ان مسائل سے انکا بے نیازی بالکل نمایاں ہے، ترجمہ کی خوبی کے لئے ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا نام کافی ہے،

کتابچہ نمبر ۱، از آقا سید محمد علی سابق پروفیسر نظام کالج، تقطیع اوسط، ضخامت ۴۲ صفحات، کاغذ بہتر، کتابت وطباعت اوسط، قیمت ۸ر، پتہ، مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن،

یہ کتابچہ آقا سید محمد علی مؤلف فرہنگ نظام کے چھ ریڈیو لکچروں کا مجموعہ ہے، پہلے چار لکچروں میں فارسی شاعری کے آغاز سے عہد سامانی تک کی چار سو سالہ تاریخ پر تبصرہ ہے، کہ قبل از اسلام کی پہلوی شاعری کیسی تھی، پھر اسلامی دور میں اس نے عربی شاعری کے اثر سے کیا قالب اختیار کیا، کن کن شعراء نے اسے سنوارا، کن کن درباروں نے اسکی سرپرستی کی، اور رفتہ رفتہ اسنے کتنی وسعت حاصل کی، اس تبصرہ میں متعدد فارسی شعراء اور قدرداں فرمانرواؤں وغیرہ کا تذکرہ آگیا ہے، شاہنامہ پر فاضل خطیب نے جو بحث کی ہے، اس کے بعض مقدمات اگرچہ قیاسی ہیں، لیکن لائقِ غور ہیں، اگر ان لکچروں کو ایران کے قاچاری اور ہندوستان کے مغلی عہد تک وسعت دیدیجاتی، تو فارسی شاعری کی اجمالی تاریخ پر مختصر کتاب ہو جاتی، چھٹے لکچر میں ہندوستانی زبان کے ریشے یعنی اجزاء بیان کئے گئے ہیں، اگرچہ اردو وہندی اتحاد کی یہ کوشش مبارک ہے، لیکن اس کیلئے عربی اور آریائی الفاظ میں لفظی اور معنوی اشتراک ڈھونڈنے کی سعی علمًا صحیح ہے اور نہ عملًا مفید، چھٹا لکچر غالب کی فارسی شاعری پر ہے،

سیّد البشر مرتبہ جناب ابو سعید عبد الرحمن صاحب فریدکوٹی، تقطیع اوسط، ضخامت ۸۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت ۲ر کے ٹکٹ، پتہ، ابو سعید عبد الرحمن صاحب فرید کوٹ اسٹیٹ پنجاب،

اس رسالہ میں فاضل مؤلف نے بائبل سے نبی آخر الزمان صلعم کے ظہور کی پچاس پیشینگوئیاں جمع کی ہیں، ان میں سے کچھ نہایت صاف و صریح ہیں، اور کچھ مجمل، جن میں آنے والے نبی کے محض علامات اور نشانیاں اور کچھ حالات بتائے گئے ہیں، لائق مؤلف نے دلائل اور شواہد سے ثابت کیا ہے، کہ ان کا مصداق ذات پاک مصطفوی کے علاوہ اور کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا،

مرثیہ اندلس (جلد اوّل) از جناب عبد الحفیظ صاحب نعیمی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۵۶ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت با خلاف جلد عمر اور ۱۲ر، طلبہ کے لئے ۱۲ر کی رعایت،

پتہ:۔ عبد الغفار خان محلہ قرد لان چوپلہ روڈ بریلی،

یہ مرثیہ درحقیقت اندلس کے اسلامی فتوحات اور یہاں کی اسلامی حکومت کے عروج وزوال کی تاریخ ہے، چنانچہ اس حصہ میں اندلس کی فتح اور عبد الرحمٰن اول کے عہد کے حالات ہیں، لیکن اس کے نام سے شبہ ہوتا ہے، کہ اندلس کی اسلامی حکومت کے خاتمہ کے حالات ہیں اسلئے آخری جلد کا نام مرثیہ اندلس رکھنا چاہئے تھا، اس کتاب کا ماخذ زیادہ تر اخبار الاندلس ہے، شاعری کی حیثیت سے اوسط درجہ کی کتاب ہے، بعض بعض حصے نہایت پرجوش اور شاعری کے معیار کے مطابق ہیں، لیکن ہر جگہ یکسانی نہیں ہے، بعض بعض حصے محض منظوم واقعہ بن گئے ہیں، کہیں کہیں اشخاص اور مقامات کے نام غلط یا مسخ ہو گئے ہیں، مجموعی حیثیت سے کتاب لائق قدر ہے، کہ اس سے ہندوستانی میں اندلس کی ایک منظوم تاریخ ہو جائیگی، اور اس سے غزل کے علاوہ دوسری مفید منظومات کا شوق شاعروں میں پیدا ہوگا،

جامع النحو، مولفہ مولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر تقطیع اوسط ضخامت .. صفحات کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت ۸ ر پتہ حکیم محمد احمد صاحب مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ،

عربی صرف ونحو کی درسی مشکلات کو حل کرنے کیلئے ہندستانی میں عربی صرف ونحو پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں انہی میں یہ رسالہ بھی ہے اس میں مولوی محمد احمد صاحب معلم نے نحو کے قاعدوں کو آسان اور عام فہم انداز میں مرتب کر دیا ہے اس سے طلبہ کم سے کم مدت میں نحو سیکھ سکتے ہیں،

مصری افسانے، مترجمہ جناب مولوی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت ۸ ر پتہ مجتبائی پریس قاضی منزل میرٹھ،

مصر کے مشہور اہل قلم مصطفےٰ لطفی منفلوطی دور جدید کے ان لوگوں میں ہیں، جو اپنی قومی روایات کے تحفظ کیساتھ ترقی چاہتے ہیں، اس لئے ان کے بیشتر افسانے اصلاحی ہوتے ہیں، مصری افسانے ان کے پانچ سبق آموز افسانوں کا ترجمہ ہے، "دختر زر کا عاشق" "شہیدان محبت" "نقاب اٹھ جانے کے بعد" "غذاب" "شہزادہ اندلس" بعض بعض میں حسن وعشق کی بھی چاشنی ہے، ترجمہ نہایت شستہ ہے، بعض ترجموں میں دوسرے مترجمین سے توارد ہو گیا ہے۔ "م"